~~تقدیر کی ملن~~ Ali

85

~~تقدیر کی ملن~~

پیٹر ملن یعنی

تقدس ملاپ

~~دو بار ملنا~~

تقدس ملاپ

Miss Afroz

T.D. Partone.

Novel is very good
every girl should read
it
Na

اس ناول کے تمام مقامات ۔ واقعات ۔ کردار فرضی ہیں ۔ کوئی مطابقت محض اتفاقیہ ہے ۔ جس کے لئے مصنّف پبلشر ۔ پرنٹر ہرگز ہرگز ذمہ دار نہیں ۔

قیمت :۔ تین روپے

پبلشر :۔ چونی لال پاہوا ۔ ۲۰۰۵/۳۰ نائی والا قرول باغ ۔ نئی دہلی ۵ ۔
پرنٹر :۔ شود کھجو پریس ۔ ہوڈ دی ہاؤس ۔ دریا گنج ۔
نئی دہلی

مُقدّس ملاپ

مُقدّس مِلاپ
(ناول)

یہ ناول اتنی اچھی

پُنر مِلن

عادل رشید

عادل رشید کے دوسرے شاہکار

1- غنڈا
2- غم چناروں کے
3- چاندنی اور راستے
4- ایک شمع دو پروانے
5- بات کا زخم
6- کاجل اور خون
7- یادوں کے اجالے
8- ہنستے آنسو
9- راجہ رانی
10- وہ آئیگی
11- میر صاحب
12- روپ
13- لرزتے آنسو
14- عشق پر زور نہیں
15- برباد آشیانے
16- بے ننگ و نام
17- ڈوبتے سائے
18- دو پھول
19- اندھیرے اجالے
20- زخم دل
21- زخم الفت
22- لب بام
23- موسم گل
24- نگاہ جمال
25- آئینۂ دل
26- تاروں کی چھاؤں
27- پنجر کا دیس
28- چوپال
29- شہر کے پھول
30- چراغ محفل
31- داغ تمنا
32- تیری صورت میری دنیا
33- گونگی لڑکی
34- بہار آنے تک
35- سپنوں کی راکھ
36- شب غم
37- انتقام
38- آخری سلام
39- آنچل اور پرچم
40- بابل
41- بہو بیگم
42- بڑی بات
43- زندگی کا سفر
44- اللہ قسم
45- سرتاج
46- چراغ بولتے ہیں
47- بھٹکے پاؤں
48- دیدۂ تر
49- چودھویں کا چاند
50- فرشتہ
51- دیوتا
52- مضراب الفت
53- مامتا کا زہر
54- دو بیل
55- دولہن
56- کبوتری

اور دوسری بہت سی کتابیں

انتساب

اپنے بیٹے

جاوید

کے نام

اس یقین کے ساتھ کہ وہ ایک مکمل انسان بن کر،
میری عزت، میرے وقار اور میرے نام کو آگے
بڑھائے گا

عادل رشید

حدودِ مملکت پاکستان میں

عادل رشید کی کتابوں کے جائز وارث

۱۔ فیروز سنز لمیٹڈ — لاہور

۲۔ میری لائبریری — ״

۳۔ آئینۂ ادب — ״

۴۔ اعوان پبلشرز — کراچی

۵۔ کراچی بک ڈپو — ״

۶۔ سلطان حسین اینڈ سنز — ״

ان پبلشرز کے علاوہ جس ادارے سے بھی
عادل رشید کی کتابیں شائع ہوں سمجھ لیجیے کہ وہ جعلی ہیں۔
اور عادل رشید کی لکھی ہوئی قطعاً نہیں ہیں۔



دو باتیں

سنہ ۶۶ء کا یہ دوسرا ناول ”پُنر ملن“ میں آپ لوگوں کی خدمت میں انتہائی فخر و مسرت کیساتھ پیش کر کے دلی مسرت اور ایک سچی خوشی سے ہم کنار ہو رہا ہوں۔

آپ میرا یہ ناول ”پُنر ملن“ پڑھ کر یہ اندازہ لگائیے کہ اسے میں نے کس انداز سے لکھا ہے۔ اور یہ سوچئے کہ اس کے لکھنے میں میں نے کس خلوص اور کس جذبہ سے کام لیا ہے۔

”پُنر ملن“ یعنی مقدس ملاپ! یہ ناول میرے دل کے احساسات اور ذہنی رجحانات کا آئینہ اور میرے جذبات و خیالات کا ترجمان ہے۔

ودھوا یعنی بیوہ کی دوسری شادی کو میں نے ہمیشہ ہی سے ایک مقدس اور نیک فریضہ جانا اور سمجھا ہے۔ اور یہ کہ میں ایسی شادی کو گناہ نہیں سمجھتا پاپ نہیں گردانتا اور میں اسے کبھی گناہ نہیں سمجھا۔ نہ سمجھتا تھا نہ سمجھتا ہوں اور نہ

کبھی میں اسے گالی سمجھوں گا۔

مشرق بہر حال مشرق ہے اور وہ لاکھ آگے بڑھ جائے اور مغربی تہذیب وروایات کو اپنا لینے پر بھی مشرق ہی رہے گا۔ ہماری لڑکیاں اور ہماری عورتیں وہ انداز اختیار کر ہی نہیں سکتیں جو کہ مغربی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے باعث فخر اور طرۂ امتیاز ہے۔

مشرق کی ہر لڑکی اور ہر عورت شرم وحیا اور حجاب کی پرستار ہوتی ہے۔ وہ ہرگز ایسی نہیں ہوتی جیسی کہ ہماری فلموں میں دکھائی جاتی ہے۔ بے حیا۔ بے شرم۔ بے حجاب اور تھرک تھرک کر ناچنے۔ کولہے مٹکانے اور گانے والی۔ مشرق کی ہر لڑکی۔ ہر عورت خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان ہو سکھ ہو یا کسی اور جماعت کی ہو اتنی بے حیا، اتنی بے باک اور آزاد ہرگز نہیں ہو سکتی جیسے کہ فلموں میں یا ناولوں میں دکھائی جاتی ہے۔

اور میری نظروں میں وہ وہی ہوتی ہے جو کہ میں اسے اپنے ناولوں میں دکھاتا ہوں اور ہمیشہ کرتا ہوں۔ ہندوستان ہو یا پاکستان ہماری ہر لڑکی اور ہر عورت کا مزاج ایک ہوتا ہے۔ اور وہ مزاج وہی ہے جو کہ آپ میرے ناول کے نسوانی کرداروں میں دیکھتے اور پڑھتے چلے آئے ہیں۔

لہٰذا آپ اسی روشنی میں میرا یہ ناول بھی پڑھئے اور مجھے لکھئے کہ میرا یہ ناول آپکو کیسا لگا۔

آپ کا۔ آپ سب کا۔

عادل رشید

رسول منزل۔ مولوی گنج۔ لکھنؤ ۱

Novel is very good

Every girl should read it.

The Novel is very good

Every girl should read it

چراغ میں بتی پڑتے ہی جب آشوک بابو اپنی حویلی پر لوٹے تو وہ بہت زیادہ تھکے تھکے دکھائی پڑ رہے تھے۔

اُن کے پرانے اور وفادار ملازم رامو نے آگے بڑھ کر انہیں ادب سے سلام کرتے ہوئے کہا۔

”وہ ملک بہاری سکینہ صاحب آئے تھے سرکار۔“

وہ ذرا سے توقف کے بعد بولا۔

”آپنے کہا تھا نا سرکار کہ اُن کے آنے پر آپکو فوراً اطلاع دی جائے۔“

”ہوں —“

وہ حویلی کے اندر جاتے جاتے رُک گئے۔ بولے۔

”تم نے انہیں روکا کیوں نہیں رامو۔؟ میں نے کہا تھا نا کہ انہیں روک لینا۔“

”رُک جانے کو میں نے کہا تھا مالک“ رامو نے افسوس ظاہر کرنے والے انداز میں

کہا۔" لیکن وہ نہیں رُکے۔ میں نے یہ بھی کہا تھا سرکار کہ آپ رُک جائیے۔ بس سرکار آتے ہی ہوں گے۔ اور یہ بھی اُن سے کہا تھا مالک کہ یہ سرکار نے کہا ہے کہ تم نہیں روک لینا"

" ہوں"

آشوک بابو کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

" اور وہ نہیں رُکے"؟

" ہاں مالک"

" عجیب ہیں یہ سکینہ صاحب بھی۔"

اور یہ کہتے ہوئے آشوک بابو حویلی کے زنان خانہ کی طرح بڑھ گئے۔ اُن کے جاتے ہی رامو نے موسیٰ سائیس سے کہا۔

" تم یہاں کھڑے کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو بھائی۔ جاؤ گھوڑے کو تانگہ سے الگ کرو۔ اُسے تھان پر باندھو۔ دانہ پانی اُسے دو۔ دور سے تھک ہار کر آیا ہے بیچارا۔ اُسکی مالش کرو۔ اور پھر اُسکی دیکھ بھال کے بعد تم بھی آرام کرو۔ میں صبح سرکار سے تمہارے بارے میں بات کروں گا"

" بھول نہ جانا کہیں رامو دادا" موسیٰ سائیس ہاتھ جوڑ کر گھگھیاتے ہوئے بولا " نہیں تو میں مر جاؤں گا رامو دادا۔ پھکر کے مارے میں تو دو رات سے چین کی نیند سو بھی نہیں پایا"

" معلوم ہے بھیا" رامو نے کہا " بیٹی کی فکر ایسی ہی ہوتی ہے۔ لیکن تم بہت جیاستی چنتا نہ کرو۔ بھگوان بھلا ہی کریں گے۔ تم بھروسہ رکھو بھگوان پر"

" میرے کو تو بھگوان سے جیاستی تم پر بھروسہ ہے رامو دادا۔ اگر تم چاہو گے تو بھلا ہی بھلا ہو جائے گا"

,,بھگوان مالک ہیں،،

رامو دادا نے کچھ سوچتے ہوئے، جیسے کہ خود سے کہا۔

,, ویسے تو میں سرکار کا پرانا نوکر ہوں۔ بڑے سرکار کے ٹائم سے اس حویلی پر آکر نوکر ہوا تھا۔ اس وقت سرکار کی عمر مجھ سے بھی کم تھی۔ سرکار میرا بڑا کھیال کرتے ہیں۔ ہر کام اور ہر بات میں صلاح لیتے ہیں۔ پر ایک بات جرور بیچ میں آن پڑی ہے کہ اب سرکار سے جیا ستی نیناں،، دیدی کی بات چلتی ہے۔ اور سرکار نیناں دیدی کے صلاح مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے،،

پھر رامو دادا نے

موسٹی سائیس دم نکل جانے والے انداز میں بولا۔

,, پھر میری بٹیا ___،،

رامو دادا فوراً بولے۔

,, ارے، اب ایسی بھی کیا چنتا۔ اتنی سی بات تو ہے۔ اس میں پھکر کا ہے کی۔ سرکار خود اپنے نوکروں چاکروں پر مہربان رہتے ہیں۔ اور پھر تم بھی تو اُن کے پرانے سائیس ہو بھائی۔ حویلی ہی میں رہتے ہو۔ سرکار تمہاری بٹیا کا کھیال نہ کریں گے تو پھر کون کرے گا۔ اور پھر نیناں دیدی کہاں کم مہربان ہیں اپنے نوکروں چاکروں پر۔ سرکار کی ہی بیٹی ہیں زیادہ بھی۔ انہیں جیسا نیک مزاج اور نیک سوبھاؤ اُن کا بھی تو ہے انہیں تک بات جائے گی تو کیا ہوگا،،

,, کہیں نیناں دیدی نے انکار کر دیا تو،،

,, ارے ___ نہیں رے،، رامو دادا بولے،، میں کہاں نیناں بٹیا کو نہیں جانتا ہوں۔ وہ پردہ کرتی ہیں تو کیا ہوا۔ دروجے کی اوٹ سے تو مجھ سے باتیں کر لیتی ہیں نا۔ میں انہیں بھی سمجھا لوں گا،،

اور پھر انہوں نے پوچھا۔
" بٹیا کے گونے کے لئے تمہیں کتنا چاہیئے موسیٰ بھیا۔؟"
" جیادہ نہیں رامو دادا، بس سو روپیہ مل جائے تو۔"
" اچھا، اچھا۔"

رامو دادا نے موسیٰ کو تسلی دی۔
" بھگوان چاہیں گے تو کل یہ کام اوشیہ ہو جائے گا۔"
رامو دادا نے کہا۔۔
" بس اب تم جاؤ بھیا۔ وہ دیکھو بیچارا گھوڑا۔ کب سے گردن گھما گھما کر تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اسے کھول کر دانہ پانی کر دو اس کا۔"
" جی مالک۔"
اور پھر موسیٰ سائیس گھوڑا اور تانگہ سمیت حویلی کے پیچھے سرونٹس کوارٹرس کی طرف چلا گیا۔۔

آشوک بابو حویلی کے باہری حصہ والے اپنے ڈرائنگ روم میں، اپنے ہم مشرب دوستوں کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔
" آپ کچھ بھی کہیئے صاحب" آشوک بابو نے قطعی فیصلہ کے طور پر کہا۔" غالب جیسا بڑا شاعر نہ تو پہلے کبھی تھا، اور نہ اب کوئی ہے اور نہ اب غالب جیسا عظیم المرتبت شاعر یہ دنیا پیدا کر سکتی ہے۔"
" یہ تو حقیقت ہے صاحب" اشوک بابو کے جگری دوست منشی گردھاری لال شوق نے اُن کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"غالب غالب ہے"

اور پھر منشی عبدالحی صاحب یکتا نے اسباب کی اور وضاحت کر دی۔

"غالب نے خود فرمایا ہے" آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں" لیکن میں سچ کہتا ہوں صاحب کہ اگر میر بھی غالب ہی کے وقت میں یا اُن کے بعد ہوتے تو وہ بھی فرماتے کہ "ریختی کے تمہیں استاد نہیں ہو اے میر" اور پھر وہ اپنے بعد غالب کا ہی نام اس ضمن میں لیتے"

"آج یہاں غالب شکن پیدا ہو گئے ہیں" آشوک بابو نے طنز کرتے ہوئے کہا۔

"واہ، واہ کیا غالب شکنی ہے"

"وہ تو جونکا دینے والی کوشش ہے آشوک بابو" نول کشور صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا "جیسے کہ بازیگر یکدم سے کسی اجنبی کی ٹوپی سے خرگوش نکالدے"

اور اس پر وہ سب مسکرانے لگے۔ منشی توقیر علی یکدم سے چونکے۔

"ارے بھئی — !"

وہ آشوک بابو سے مخاطب تھے۔

"آج ہمیں اس ادبی اجتماع میں بھی تو چلنا ہے آشوک بابو جس کا دعوت نامہ"

"مجھے یاد ہے منشی جی" آشوک بابو مسکرائے "یہ ادبی محفلیں ہی تو میری صحیح اور سچی لگن ہیں۔ بھلا میں انہیں بھول سکتا ہوں۔ آپ لوگ ناشتہ فرما لیجئے۔ پھر ہم سب ایک ساتھ چلتے ہیں۔ میں نے اپنے سائیس سے کہلوا دیا ہے کہ وہ تانگہ تیار رکھے۔"

اور پھر آشوک بابو نے آواز دی۔

"رامو — !"

اور جب رامو آ گیا تو انہوں نے اس سے کہا۔

"ذرا اندر کہلوا دو بیٹی کہ ہمیں اور ہمارے دوستوں کیلئے شام کا ناشتہ بھجوا دیں۔"

"جی سرکار ۔"

اور پھر انہوں نے رامو سے پوچھا۔

"موسیٰ سے تانگہ جوڑنے کے لئے کہہ دیا ہے نا ۔؟"

"ہاں مالک ۔"

اور پھر رامو نے حویلی کی دہلیز میں جاکر آواز دی۔

" ردھیا ۔۔۔ !"

اور جب حویلی کی پرانی ملازمہ ردھیا آگئی تو رامو نے اُس سے کہا۔

"بٹیا دیدی سے جاکر کہو کہ سرکار اپنے اور اپنے دوستوں کے لئے شام کا ناشتہ منگوا رہے ہیں۔"

"اچھا ۔۔۔ !"

اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ردھیا نے ڈیوڑھی میں آکر آواز دی۔۔

"رامو دادا ۔۔۔"

اور جب اس آواز پر رامو ڈیوڑھی میں گئے، تو ردھیا نے انہیں ایک بڑا سا تھال، جو کہ خوبصورت اور بیحد حسین کڑھے ہوئے سرپوش سے ڈھکا ہوا تھا تھما دیا۔

اور رامو یہ تھال لیکر ڈرائنگ روم میں آگیا۔

"یہ لیجئے سرکار ۔"

اُسنے تھال تخت پر رکھ دیا۔ جو کہ سامنے بچھا ہوا تھا۔

" آؤ دوستو ۔"

آشوک بابو نے بید کے صوفہ پر سے تخت پر آتے ہوئے کہا۔

"ہم پہلے شام کا ناشتہ تو کرلیں ۔۔!"

انہوں نے سرپوش ہٹایا۔

چاندی کی چھوٹی چھوٹی طشتریوں میں خالص بادام اور خالص پستہ کے حلوے کی قاشیں تھیں۔ دو جگ دودھ کے شربت کے تھے۔ جس میں بادام اور پستے کی ہوائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ پلیٹوں میں نمکین تھا۔ اور مٹھائی تھی۔ اور چاندی کے منقش گلاس تھے۔

اور پھر وہ سب دوست، ایک ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگے۔ آشوک بابو بولے۔

"آپ جیسے مخلص اور باذوق احباب کا ساتھ بھی جنت سے کچھ کم حسین نہیں ہے۔"

یہ ایک عظیم ادبی اجتماع تھا۔ پڑھے لکھے اور صاف ستھرے ذوق والوں کی یہ محفل تھی۔ جو مولوی احتشام علی صاحب ریٹائرڈ جج ہائی کورٹ الہ آباد کی کوٹھی کے وسیع ہال میں منعقد کی گئی تھی۔ اور الہ آباد میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا ادبی اجتماع تھا۔ جس میں اردو اور ہندی کے چیدہ چیدہ شاعر، ادیب، نقاد اور مفکر جمع کئے گئے تھے۔

کچھ تقریریں تھیں۔ کچھ مقالات تھے۔ کچھ مضامین تھے اور اردو ہندی کی اچھی کہانیاں تھیں اور پھر صاف ستھری محفل مشاعرہ تھی۔

احتشام علی صاحب جیسے نقاد اور مفکر نے بغیر ڈھول پیٹے اور بغیر ہنگامہ کئے دور دور شہروں سے ادیب، شاعر، نقاد اور مفکر اس بزم کے لئے اکٹھے کر لئے تھے۔

باہر سے آنیوالوں کا سارا خرچ انہوں نے اٹھایا تھا اور ان کے قیام اور

طعام کے لئے انہوں نے اپنی کوٹھی وقف کر دی تھی۔

"یہ تو ہمارے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ یہ اتنا بڑا اور اتنا اہم اجتماع ہو رہا ہے۔"
آشوک بابو نے عبدالحی صاحب سے کاناپھوسی والے انداز میں کہا۔

"غضب ہو جاتا۔ اگر ہم اسے غیر اہم سمجھ کر ٹال جاتے۔"

"اور نہیں تو کیا صاحب۔" عبدالحی صاحب نے تائید کی۔ "ایسا ویسا غضب ہوتا۔ یہ اجتماع تو الہ آباد میں اپنی نوعیت کا واحد ہے۔"

بڑی اچھی اور بڑی کامیاب قسم کی یہ نشست تھی۔ اور اس میں ایسے ایسے مقالے پڑھے گئے کہ سبحان اللہ۔ ایسی ایسی غزلیں سُننے کو ملیں کہ روح تازہ ہو گئی۔ کہانیاں اتنی معیاری تھیں کہ فن سیکھنے والے بہت کچھ سیکھ لیں۔

اور پھر ادب پر۔ سائنس پر، مذہب پر اور فلسفہ پر تقریریں بھی ہوئیں۔ اور ان تقریر کرنے والوں میں ایک ہستی آشوک بابو کی ہستی پر چھا گئی۔

اور یہ ہستی تھی پرشانت بابو کی۔ پرشانت بابو جو الہ آباد یونیورسٹی سے ایم اے کر چکنے کے بعد اب پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے ریسرچ کر رہے تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ایک اور بڑا کام کر رہے تھے وہ۔

وہ آریوں سے لے کر اس وقت تک کی ہندوستان کی ایک ایسی تاریخ لکھ رہے تھے جو سچی ہو۔ صحیح ہو اور جس پر انگریزوں کی مصلحت پرستی کی چھاپ نہ ہو۔

اور اس تاریخ مرتب کرنے کے سلسلے میں وہ ابتک سارے ملک کا دورہ کر چکے تھے اور سارے ملک کا دورہ وہ کر رہے تھے۔ انہوں نے ہندوستان کی ہر چھوٹی بڑی، عظیم اور اہم اور غیر اہم لائبریری کی خاک چھانی تھی۔ اور صحیح اور سچی تاریخ کی لگن میں انہوں نے قلمی نسخوں کا ایک ایک لفظ چھان مارا تھا۔

اور یہ پرشانت بابو، جن کی عمر ابھی صرف ۲۴-۲۵ سال کی تھی۔ اردو، ہندی

اور انگریزی کے علاوہ۔ عربی۔ فارسی۔ سنسکرت اور فرنچ زبان میں بھی اچھی خاصی مہارت رکھتے تھے۔

یہ ادبی اجتماع شام کے چھ بجے سے شروع ہو کر رات کے پچھلے پہر سوا تین بجے ختم ہوا۔ بیچ میں رات کے نو بجے سے لیکر دس بجے ایک گھنٹہ کے لئے کھانے کے لئے یہ سب اٹھے تھے۔ احتشام علی صاحب نے تمام آنے والوں کے لئے کھانے کا بھی انتظام کیا تھا۔ اور سب سے خاص بات یہ تھی اس دعوت میں کہ سب نے ایک ساتھ بیٹھ کر ایک ہی نشست میں کھانا کھایا تھا۔ ہندو مسلمان کی اس میں کوئی تمیز نہیں کی گئی تھی۔ البتہ صاحب خانہ نے اس دعوت میں گوشت کو جگہ بالکل نہیں دی تھی۔ دعوت کا سارا سامان بغیر گوشت کے نہایت ہی اہتمام کیساتھ تیار ہوا تھا۔

صبح چار بجے جبکہ لوگ واپس ہو رہے تھے آشوک بابو نے پرشانت سے بات کی۔

"میں آپکی علمیت، آپکی لیاقت اور آپکی شخصیت سے بہت متاثر ہوا ہوں پرشانت بابو۔"

"یہ آپکی ذرہ نوازی ہے جناب۔"

پرشانت نے متانت سے کہا۔

"آپکا بہت بہت شکریہ۔"

"میں آپکو ایک زحمت دینا چاہتا ہوں۔"

"حکم دیجئے صاحب۔"

"اگر یہ میں درخواست کروں کہ آپ ایکدن غریب خانہ پر تشریف لاکر——"

اور پرشانت جھٹ سے بولا۔

"آپ جس گھڑی بھی حکم دیجئے صاحب۔ میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"اچھا۔!" آشوک بابو خوش ہو کر بولے۔ "آپکا بہت بہت شکریہ۔"

اور پھر انہوں نے پوچھا۔

"آپ کا قیام — !"

اور پرشانت جھٹ سے بولے۔

"میں جس جگہ رہتا ہوں۔ وہاں آکر آپکو —"

اور پھر وہ گڑبڑا کر بولا۔

"اپنا پتہ دیجئے صاحب۔ میں خود حاضر ہو جاؤں گا۔"

"نہیں صاحب۔ میں آپکو لینے حاضر ہونگا۔"

"وہ جگہ —"

اور پھر وہ بولا۔

"اچھا — !"

اور پھر اُسنے اپنی رہائش کا پتہ آشوک بابو کو بتا دیا۔ آشوک بابو نے کہا۔

"میں کل شام کے چار بجے حاضر ہونگا۔"

"میں آپکا انتظار کروں گا جناب۔"

اور پھر آشوک بابو، پرشانت کی عظمت، اُسکی لیاقت اور اُسکی شخصیت کا ایک خاص تاثر لئے ہوئے وہاں سے واپس لوٹے۔

وہ راستہ بھر پرشانت ہی کے بارے میں اور اُسکی تقریر کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

...

نینا کی دادی جنہیں سارا گھر دادی ماں کہتا تھا۔ اب بہت بوڑھی ہو چکی

تھیں۔ اُن کی عمر پچھتر برس کی ہو چکی تھی بلکہ اس سے کچھ آگے ہی رہی ہو گی اُن کی عمر۔

وہ حد سے زیادہ مذہبی قسم کی عورت تھیں۔ چھوا چھوت کا بھی خاص خیال رکھتی تھیں۔ اتنی عمر ہونے پر بھی روز صبح تڑکے پیدل گنگا اور جمنا کے سنگم پر جا کر اشنان کرتی تھیں۔ اور پھر سورج نکلتے نکلتے وہاں سے اشنان کر کے واپس آ جاتی تھیں۔ اور پھر حویلی کے ایک کمرے میں جسے انہوں نے پوجا گھر بنا رکھا تھا بیٹھ کر دھیان کرتی تھیں۔ پوجا کرتی تھیں اور بہت دیر تک بیٹھی مالا پھراتی رہتی تھیں۔

انہیں منکوں کی جنبش میں جو سکون ملتا تھا وہ اُنہیں کسی اور بات میں حاصل نہیں ہوتا تھا۔ وہ دن بھر اور پھر رات گئے تک اپنے اسی قسم کے مذہبی کاموں میں لگی رہتی تھیں۔ کبھی رامائن پڑھی جا رہی ہے، تو کبھی گیتا کا پاٹھ ہو رہا ہے۔ اور کبھی ہون ہو رہا ہے۔ آج اُن کا اِسیات کے لئے برت ہے تو کبھی اُس بات کی خاطر وہ برت رکھے ہوئے ہیں۔

غرضیکہ وہ اپنے انہیں کاموں میں لگی رہتی تھیں۔ دنیا سے اور دنیا کے دوسرے جھمیلوں سے انہیں کوئی دلچسپی ذرہ برابر بھی نہیں تھی۔

اور گھر، اتنی بڑی پوری حویلی کا انتظام اُن کی پوتی نینا کے ہاتھوں میں تھا۔ اور اسی پوری حویلی میں نینا ہی کی بات چلتی تھی۔

نینا ہی پر ہر کام اور ہر بات کی ذمہ داری تھی۔ یہاں تک کہ جاگیر کے مسائل بھی اُسی کی مرضی اور اُسی کے کہنے کے مطابق حل کئے جاتے تھے اور چلائے جاتے تھے۔

اشوک بابو ہر کام اور ہر بات میں اپنی اسی بڑی بیٹی نینا سے صلاح و مشورے کیا کرتے تھے۔ اور نینا جو صلاح اور جو مشورہ اپنے باپ کو دیتی تھی اُسی پر وہ عمل بھی کرتے تھے۔

یہاں تک کہ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی آشوک بابو بغیر نینا کی مرضی کے نہ تو کہیں طے کرتے تھے اور نہ کسی سے کوئی وعدہ ہی کرتے تھے اس سلسلے میں۔

"آشوک بابو"

اُن سے کوئی کہتا۔

"وہ اُودھر کے پاس والے کھیت جو آپکے گاؤں رشید پور میں ہیں ــــ"

اور وہ جھٹ سے بات کاٹ دیتے۔

"بھئی ــ میں اپنی بیٹی نینا سے ذرا اُن کے بارے میں پوچھ لوں"

"وہ رادھے شیام پر اب تو مقدمہ کرنا ہی پڑیگا سرکار"

اُن کا کارندہ جبار دھن کہتا تو وہ فوراً کہتے۔

"میں نینا سے پوچھتا ہوں"

یا وہ کہتے۔

"تم تو بات پوچھنے ہی ہو اپنی نینا بیدی سے۔ یہ بات بھی انہیں سے پوچھ لو بھئی"

وہ مسکرا دیتے۔

"اور پھر جو صلاح دیں تمہاری نینا بیدی دلیسا ہی کرو میرے بھائی"

اور اپنے باپ کی یہ انتہائی لاڈلی، اور بھروسہ کی بیٹی نینا، بڑے اصولوں کی بیٹی تھی اُن کی۔ بڑی رکھ رکھاؤ والی۔ انتہائی کفائت شعار، سمجھدار، سگھڑ اور سلیقہ مند ــ اور ہوش گوش والی۔

پڑھی لکھی ــ حالات کو جاننے، پرکھنے اور سمجھنے والی۔ اور پھر ہر بات کے فیصلے سے پہلے اُسکے ہر پہلو پر غور کرنے والی بیٹی تھی یہ نینا۔

اور جبھی اُس کے باپ، یہ آشوک بابو، اُسے اپنا سب کچھ سمجھ کر اور سونپ کر مطمئن ہو گئے تھے۔ اور اُسکی طرف سے، اُس کے کسی بھی عمل، فعل یا فیصلے

پر انہیں کوئی عذر یا شک و شبہ نہیں ہوتا تھا۔
اُن کے جوان بیٹے ارون کمار نے جو کہ الہ آباد یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔
اُن سے کہا۔

"پتاجی ! مجھے سو روپے کی ضرورت ہے"
انہوں نے فوراً جواب دیا۔
"اپنی دیدی سے ضرورت بیان کرکے تم لو"
ارون کمار نے کہا۔
"میں اس سال گرمیوں میں کشمیر جانا چاہتا ہوں پتاجی"
"اپنی دیدی سے بات کر لو بیٹے۔ اگر وہ کہیں تو ضرور جاؤ"
اُس نے کہا۔
"میں اپنے چند دوستوں کی دعوت کرنا چاہتا ہوں"
"ضرور کرو ارون۔ لیکن اپنی دیدی سے پوچھ لو"
"اس سال فصل خراب ہوئی ہے مالک"
اُن کے کارندے نے کہا۔
"کسانوں کا مطالبہ ہے کہ اس فصل کا آدھا لگان معاف کر دیا جائے۔
وہ سب کے سب"
اور اشوک بالو نے فوراً جواب دیا۔
"تم اپنی بیناد یدی سے بات کرو۔ میں بھی اُن سے صلاح لے لوں گا"
اُن کے منشی نے کہا۔ جو کہ اُن کے شہر کے مکانات اور دکانوں کا کرایہ وصول کرتا تھا۔
"وہ دکان جو خالی ہوئی ہے"

اور وہ جھٹ سے بولے۔

"بینا دیدی سے بات کروا نبی۔ وہ جیسا کہیں ویسا ہی ہونا چاہیئے منشی جی"۔

اور اپنے باپ کی لاڈلی، اُن کے مکمل اعتماد، یقین اور بھروسہ والی یہ بینا دیدی اپنی بدنصیبی کے چکر میں پھنسکر بیوہ ہو چکی تھی بیچاری"۔

اور یہ اُسوقت بیوہ ہوئی تھی غریب جبکہ اسکی شادی کو ابھی چھ ہی مہینے ہوئے تھے۔ اور جبکی شادی اُس وقت ہوئی تھی جبکہ اس کی عمر صرف پندرہ برس کی تھی۔ اور اب جسے اپنی بیوگی کا یہ زمانہ کاٹتے کاٹتے پورے بارہ سال بیت چکے تھے یعنی جسوقت اس کی شادی ہوئی تھی وہ پندرہ برس کی تھی بلکہ اس پندرہ برس میں بھی کچھ مہینے کم ہی تھے۔ اور اب وہ تقریباً ستائیس سال کی تھی۔

گویا کہ پورے بارہ برس سے وہ اپنے باپ کے گھر میں تھی اور بیوہ تھی۔ اور اپنی بیوگی کے دن اپنے دل اور دماغ پر جبر کر کے کاٹ رہی تھی وہ غریب۔

اُسنے اپنا دل بہلانے کے لئے اور اپنے آپکو مصروف رکھنے کے لئے اپنی تعلیمی سرگرمیاں شروع کر دی تھیں۔ اُسنے پرائیویٹ طور پر امتحان دے دے کر ہندی کے امتحانات پاس کیئے تھے۔ اور پھر ادیب ماہر کامل کے امتحانات کے بعد اُسنے بی۔اے کر لیا تھا۔

وہ حد سے زیادہ نیک۔ لیکن با اصول۔ شریف اور سنجیدہ قسم کی لڑکی تھی۔ ایک ایسی عورت تھی وہ جو بے حد خوبصورت کہی جاسکے۔ اُس کی رنگت ایسی تھی جیسے کہ کسی نے سفید مائدے میں شہابی رنگ ملا دیا ہو۔

بڑی بڑی غلافی آنکھیں۔ حسین قد و قامت اور سیاہ گھنے لمبے بال۔ رخساروں پر کشمیری سیب کی رنگت۔ اور لب ایسے جیسے کہ گلاب کی نازک پنکھڑیاں۔

وہ سرتاپا حسین تھی۔ لیکن اُس کے اس حُسن کو پرکھنے اور تولنے والا کوئی نہ تھا۔
کوئی ایسا نہ تھا جو اس گلاب پر قربان ہو اور اس حسین پھول پر بھنورے کی طرح منڈلائے۔
وہ ایک شمع تھی۔ لیکن اس شمع پر جھوم جھوم کر ناچنے اور اس کے گرد چکر لگانے
والا پروانہ نہیں تھا۔

وہ ایک ایسا حسین پھول تھی جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر کھلتا ہے اور وہیں اپنے
جلوے بکھیر کر رہ جاتا ہے۔ اُس کے باپ کی یہ دلی خواہش کہ وہ اُس کا دوسرا بیاہ کر دے۔
لیکن وہ اس پر قطعاً راضی نہیں تھی اور یہی خواہش اُس کی ماں کی بھی تھی جو اپنی یہی
خواہش لئے لئے۔ اُس کی بیوگی کے غم میں نڈھال ہو کر چیتا پر پہونچ گئی تھی۔
لیکن وہ اسبات کا ذکر تک کسی سے سُننا نہیں چاہتی تھی کہ اُس کا دوسرا بیاہ کر دیا جائے۔
اور اُس میں اور اُس کی دادی ماں میں یہی ایک خیال بڑی شدت کے ساتھ مشترک تھا۔
اُس کی دادی ماں بھی ودھوا کے دوسرے وِواہ کو گناہ عظیم سمجھتی تھی اور وہ بھی۔
اور اُس کی دادی ماں اُسے اور زیادہ چاہتی اور پیار کرتی تھیں کہ وہ بھی اُن کی ہم خیال ہے۔
اور اپنے ماں باپ کی طرح وہ اتنے بڑے اپرادھ اور گناہ کا تصور بھی نہیں کرتی۔
اشوک بابو کا خاندان اُس قسم کا تھا۔ جہاں عورتیں پردہ کرتی ہیں۔ اور بلا جھجک
باہر نہیں آتی جاتیں۔ حالانکہ ہندوؤں میں عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔
لیکن اس خاندان میں عورتیں ہمیشہ ہی سے پردہ کیا کرتی تھیں۔ اور یہ اس خاندان
کا پرانا دستور تھا کہ مسلمان عورتوں کی طرح ہندو عورتیں بھی پردہ کریں۔
اور یہی وجہ تھی کہ بینا دیدی پردہ کرتی تھی۔ اور تو اور اشوک بابو کی بوڑھی ماں
بھی پردہ کرتی تھیں۔ اور وہ بھی گنگا اشنان کرنے اس انداز سے نہیں جاتی تھیں کہ راہ
چلتے اُنہیں دیکھتے جائیں۔
وہ خود کو سر سے پاؤں تک چادر میں لپیٹ کر روز صبح سنگم جاتی تھیں۔ اور اس

خاندان کو اپنی اس آن اور اپنی اس شان پر فخر بھی تھا۔ تاسف نہیں تھا اُسے کوئی۔

اشوک بابو، جب سے کہ اُن کی دھرم پتنی سورگباش ہوئی تھیں اندر زنان خانے میں بہت ہی کم آیا جایا کرتے تھے۔ اگر کوئی انتہا ضروری کام ہوتا تھا یا جب اُنہیں اپنی بیٹی بینا سے کوئی صلاح و مشورہ کرنا ہوتا تو وہ اندر آتے تھے۔ ورنہ وہ باہر مردانے ہی میں زیادہ تر رہا کرتے تھے۔

لہٰذا آج وہ محض اپنی بیٹی سے دو بات کرنے کے لئے اندر آئے تھے۔ وہ اندر آنے سے پہلے کھانسے تھے۔ وہ ہمیشہ اندر آنے سے پہلے کھانس لیا کرتے تھے۔ اور ایک زمانہ میں شرفا کا یہی دستور ہوتا تھا کہ وہ زنان خانہ میں داخل ہونے سے پہلے کھانس لیا کرتے تھے۔

"نمستے پتا جی ــ"!

اُن کے اندر قدم رکھتے ہی بینا دیدی، اُن کی بیٹی نے انہیں ادب سے نمستے کی۔

"جیتی رہو بیٹی۔"

انہوں نے انتہائی شفقت اور پیار سے اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"کیسی ہو بیٹی ــ؟"

انہوں نے اپنی بیٹی کی خیریت پوچھی ــ بینا دیدی بولی۔

"آپکی دیا، بھگوان کی کرپا اور آپکا آشیرواد ہے پتا جی۔"

اور پھر اُسنے فوراً ہی پوچھا۔

"حکم پتا جی۔"

اُسے معلوم تھا کہ اُس کے پتا جی کسی خاص بات یا کام کے بغیر اندر نہیں آتے۔ لہٰذا اُس نے آنے کی نوعیت دریافت کی ــ اور اُسکے پتا جی اشوک بابو نے کہا۔

"وہ بات دراصل یہ ہے بیٹی کہ آج شام چار بجے میں نے ایک بہت ہی گنی اور ذی علم آدمی کو مدعو کیا ہے۔ تم بھی اگر چاہو تو پردے میں بیٹھ کر اُن کی باتیں سُننا۔ اُن کے ناشتہ کا ذرا معقول قسم کا انتظام چاہیئے بیٹی"

وہ رُک کر بولے۔

"اُن کے اور دوست بھی ہوں شائد۔ یا شائد نہ بھی ہوں۔ لیکن میرے چند خاص دوست ضرور ہوں گے۔ لہٰذا ناشتہ کا انتظام ذرا معقول ڈھنگ کا"

اور وہ جھٹ سے بولی۔

"ہو جائے گا پتا جی۔ آپ کوئی فکر نہ کیجئے"

اور پھر اُس نے پوچھا۔

"وہ کون صاحب ہیں"

"بڑے قابل، بڑے ہونہار اور گنی آدمی ہیں بیٹی۔ ڈبل ایم۔ اے ہیں۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں۔ اور آریوں کے وقت سے لے کر اب تک کی صحیح تاریخ لکھنے جا رہے ہیں۔ ودوان آدمی ہیں"

وہ جیسے کہ اُس شخصیت کے دھیان میں کھو گئے۔ اور پھر جیسے کہ چونک کر بولے۔

"اُن کا نام پرشانت بابو ہے"

"ہندو ہیں"

"ہاں بیٹی۔ پر ہندو ہو کر بھی عربی میں ماہر ہیں اور فارسی بھی جانتے ہیں"

آشوک بابو نے بتایا۔

"عربی فارسی کے علاوہ اُردو، ہندی، سنسکرت اور فرنچ بھی جانتے ہیں۔ اور انگریزی میں شعر کہتے ہیں"

"اچھا" !

"ہاں بیٹی - کہانو بے حد قابل اور لائق آدمی ہیں - اور عمر مشکل سے ۳۶،۳۵ سال کی ہوگی"

"اچھا — !

"ہاں بیٹی"

"آپ کو کہاں ملے — ؟"

"وہ اُس دن احتشام علی صاحب ریٹائرڈ جج الہ آباد ہائی کورٹ کی کوٹھی پر ایک اجتماع تھا ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کا - وہیں ملاقات ہوئی تھی"

"اچھا کیا کہ آپ نے انہیں اپنے یہاں بُلا یا تیا جی" نینا بولی "قابل اور گُنی آدمیوں سے انسان بہت کچھ سیکھ سکتا ہے اور پھر وہ تو شاعر بھی ہیں"

"ارے بیٹی — !" آشوک بابو بولے "بیحد قابل ہستی ہے اُن کی"

"اچھا تیا جی — آپ فکر نہ کیجئے" نینا دبدبی بولی "میں اُن کے لئے خاطر تواضع کا پورا پورا انتظام کردوں گی"

"جیتی رہو بیٹی"

اور پھر آشوک بابو اندر سے واپس آگئے۔

آشوک بابو چپ چاپ تنہا بیٹھے تھے کہ اُن کا پرانا اور وفادار ملازم ڈرتے ڈرتے، دبے پاؤں اندر آیا - اُس نے ادب سے ہاتھ جوڑکر کہا۔

"کچھ کہنا چاہتا ہوں مالک"

"کہو، کہو" آشوک بابو ملائمیت سے بولے "کیا بات ہے - ؟"

"وہ حضور کا سائیں ہے نا مالک، موسئی۔"

"ہاں، ہاں — کیا ہوا اُسکو — ؟"

"اُس کی بیٹی کا گونا ہے سرکار —"

"اچھا —!" آشوک بابو نے خوش ہوکر، ہمدردی سے پوچھا: "کب ہے؟"

"بس دس دن اور رہ گئے ہیں مالک۔"

"پھر —!"

"اُسے ——"

اور آشوک بابو یکدم سے بولے —

"ہم اُسکی بیٹی کا گونا خود کر بیٹھے رامو — اُسکی بیٹی آخر ہماری بیٹی بھی تو ہے۔"

"مالک ——!"

رامو خوش ہوکر بولے —

"آپ سچ مچ دیوتا ہیں سرکار —"

"اس میں دیوتا ہونے کی تو کوئی بات نہیں ہے رامو" آشوک بابو نے کہا۔ "موسئی ہمارا پرانا سائیں ہے — اور اُسکی ہر خوشی اور اُس کا ہر رنج ہمارا اپنا ہے۔"

اور پھر انہوں نے پوچھا۔

"اس نیک کام میں کتنا روپیہ لگے گا رامو۔"

اور پھر انہوں نے خود ہی کہا۔

"پانچ سو میں ہو جائے گا سب کچھ —!"

اور یہ رامو پانچ سو کی بات سنکر، خوشی سے جیسے کہ بولا گیا — بولا —

"پانچ سو میں تو اُسکی بیٹیا زندگی بھر سسرال میں اپنا سر اونچا کر کے رہیگی مالک۔"

اُسنے کہا۔

"موسی بیچارا نو سو روپے کے لئے کہہ رہا تھا اور یہ سو روپے اس کے لئے خواب تھے۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہمیں بھگوان نے دیا ہے۔ ہم اپنے سائیں کو اُسکی بٹیا کے گونے کے لئے پانچسو دینگے۔ اس سے کہو رامو کہ وہ اپنی بٹیا کا ٹھاٹ سے گونا کرے۔ آخر وہ ہمارا آدمی ہے۔ اور برات بھی ہماری کوٹھی پر آئے گی نا۔ ہم اپنے سائیں کی سبکی تھوڑے ہی ہونے دیں گے۔"

اور پھر انہوں نے کہا۔

"البتہ ہمیں تمہاری بینا دیدی سے ضرور پوچھنا پڑے گا۔"

اور پھر وہ خود ہی بولے ۔

"اور وہ بھی میری یہ بات مان لے گی۔"

اُن کا سینہ فخر سے پھول گیا۔

"وہ ہماری بیٹی ہے آخر۔"

اور اُسی وقت اندر سے بینا کی آواز آئی۔

"مجھے آپکی اس ہمدردی سے خوشی ہوئی ہے پتاجی۔"

بینا دیدی کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

"بیٹی والے تو ہوتے ہی پیار کے لائق ہیں۔ دنیا کی ہر بیٹی دنیا کے ہر انسان کی بیٹی ہونا چاہیئے۔"

وہ درد کے ساتھ بولی۔

"بیٹی والے اور بیٹی کے باپ ہماری ہر ہمدردی اور مدد کے حقدار ہوتے ہیں۔"

"جیتی رہو بیٹی۔"

شوکت بابو یکبارگی تڑپ کر اٹھے۔ اور انہوں نے اندر کے کمرے میں جا کر اپنی بیٹی بینا دیدی کا سر، جوشِ محبت میں اپنے شانے سے لگا لیا۔

وہ کہہ رہے تھے۔

"بیٹی۔ تم سچ مچ دیوی ہو جس نے مجھ جیسے دنیادار اور پاپی کے گھر میں جنم لیا ہے"

"میں آپکی بیٹی ہوں پتا جی اور بس" نینا بولی "اور میں آپکی بیٹی ہوں۔ یہی بہت بڑے فخر کی بات ہے میرے لئے"

اور پھر اس نے کہا۔

"میں موتی کی بٹیا کے گونے کے لئے ابھی پانچسو روپے دیتی ہوں پتا جی"

اس نے اندر سے رامو کو مخاطب کیا۔

"رامو دادا۔!"

"جی نینا دیدی"

"تم موتی کی عورت سے کہو کہ وہ ابھی آ کر مجھ سے پانچسو روپے لے جائے"

"اچھا نینا دیدی"

اور وہ موتی کی بیوی کو یہ خوشخبری سنانے کے لئے یکدم سے دوڑ گیا۔

[illegible]

(١) او دور جانے والے مسافر
(٢) حالِ دل میں کیا لکھوں
(٣) میرا سلام لے جا
(٤) تمہارے دل نے [illegible]
(٥) نہ رو اے دل [illegible]
(٦) [illegible]
(٧) [illegible]
(٩) [illegible]

محبت کی راہوں میں چلنا سنبھل کے
یہاں جو بھی آیا گیا ہاتھ مل کے

I like this Novel. But don't think about love, love is not blind but love is blade: It is my advice for every girl never try to love with any person.

آشوک بابو اپنی بیٹی نینا سے باتیں کر رہے تھے۔

"تم سے ایک صلاح لینا چاہتا ہوں بیٹی۔"

"ضرور پتاجی" نینا نے کہا "فرمائیے۔ کیا بات ہے۔"

وہ حلیمی سے بولی۔

"یہ آپکی بڑائی ہے اور یہ آپکی میرے ساتھ بے اندازہ محبت اور بے تحاشہ پیار کی وجہ ہے کہ آپ مجھے اتنا بڑا درجہ دیتے ہیں پتاجی کہ آپ ہر بات میں مجھ سے صلاح لیتے ہیں۔ اور گھر اور باہر کی بہت ساری باتیں جو آپنے میرے اوپر چھوڑ رکھی ہیں۔ وہ بھی آپکی میرے ساتھ محبت ہی تو ہے۔ ورنہ ـــ"

"نہیں بیٹا" آشوک بابو بولے "یہ تمہاری سوجھ بوجھ، تمہاری سمجھ اور یہ تمہاری ذہانت ہے کہ میں اپنے نجی اور جاگیر کے سارے کاروبار میں تم سے نہ صرف یہ کہ صلاح لینے لگا ہوں بلکہ یہ سارے کام میں نے تم پر چھوڑ رکھے ہیں۔ اور تم نے یہ سارے

کاروبار اس ڈھنگ سے چلاتے ہیں کہ مجھے خود تمہاری ذہانت پر حیرت ہونے لگی ہے کہ
تمہیں یہ سب کچھ آ کیسے گیا؟

انہوں نے کہا۔

"اور جب سے کہ میں نے یہ ساری باتیں تمہیں سونپی ہیں۔ کاموں میں ترقی اور برکت ہونے لگی ہے۔ اور ہر کام اس انداز میں ہونے لگا ہے کہ مانو بھگوان کے ہاتھوں ہو رہا ہو۔"

"میں آپ کی بیٹی ہوں پتاجی" نینا بولی "اور بڑا وادہا ماں باپ کا کرتویہ ہوتا ہے۔ یہ ماں باپ کی فطرت ہوتی ہے اور یہ فرض ہوتا ہے ان کا کہ وہ اولاد کے اچھے کاموں پر انہیں شاباشی دیں اور بڑھ چڑھ کر ان کی حوصلہ افزائی کریں۔"

"نہیں نینا" اشوک بابو نے کہا "بھگوان جانتے ہیں کہ تمہارے ساتھ یہ بات نہیں ہے۔ آخر ارون بھی تو میری اولاد ہے اور وہ تو بیٹا ہے میرا۔ پھر بھی میں نے اس پر کچھ نہیں چھوڑا بلکہ اس کی ضروریات یا خواہش کی منظوری بھی میں نے تمہارے سپرد کر رکھی ہے۔ اور اسکی وجہ صرف یہی ہے بیٹی کہ تم میرے لئے لکشمی کا اوتار ہو۔ تم وہ دیوی ہو میرے لئے جس نے میرے ہر کام اپنائے ہیں۔ اور بگاڑا میرا ایک کام بھی نہیں ہے جس نے۔"

اور پھر وہ بولے۔

"اچھا، یہ چھوڑو اور مجھے ایک مشورہ دو نینا۔"

"فرمایئے پتاجی۔؟"

"اس روز پرشانت بابو آئے تھے ہمارے یہاں۔"

"جی ۔۔!"

"تمہارا کیا خیال ہے ان کے بارے میں ۔؟"

"میں سمجھی نہیں پتا جی"

"میرا مطلب ہے کہ وہ تمہیں کیسے لگے"؟

"جی —!" نینا چونک پڑی۔

گھبرا کر بولی۔

"میں آپکی باتیں نہیں سمجھ سکی ہوں پتا جی"

اور پھر اُسنے فوراً ہی کہا۔

"میں نہ تو جیسا کہ آپکو معلوم ہے اُن کے سامنے آئی ہوں اور نہ میں نے انہیں پردے کی اوٹ ہی سے دیکھا ہے"

اُسنے وضاحت کی۔

"اسلئے کہ انجانے اور غیر مردوں کو دیکھنا یا انہیں تاکنا جھانکنا میری فطرت نہیں ہے۔ اور میں اسے پاپ سمجھتی ہوں پتا جی"

وہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔

"بھگوان نہ کریں کہ میں کسی بھی پرش کو چھپ کر دیکھنے کی بری عادت ڈالوں"

اور اس پر آشوک بابو مسکرا دیئے۔ بولے۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے بیٹی"

"پھر —!"

"مطلب یہ بیٹی کہ وہ تمہیں گن وان لگے کہ نہیں۔ اُن کی لیاقت اور اُن کی نالج کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے"؟

"جی —" نینا بولی " میں نے پردے سے اُن کی باتیں سُنی ہیں۔ اور اُن کی نالج واقعی بہت بڑی ہے۔ وہ یقیناً ایک گن وان آدمی ہیں پتا جی۔ انہیں ہمارے دیش کا ایک انمول رتن کہا جا سکتا ہے"

" اور دلیش کے اسی انمول رتن کے پاس رہنے کے لئے گت کی ایک ایسی جگہ بھی نہیں ہے بیٹی، جہاں رہ کر وہ علمی اور ادبی یا کسی قسم کا کوئی تعمیری کام کر سکے۔ اس کے پاس تو بیٹھنے کی بھی جگہ نہیں ہے گت کی "

" لکشمی اور سرسوتی کے بیٹوں میں بہی تو ضد رہتی ہے تپاجی " نیتا بولی " وہ جو فنکار ہوتے ہیں۔ گن وان اور ذہین ہوتے ہیں جو۔ جو لیکھک، کوی، آرٹسٹ اور اونچے درجہ کے کلاکار ہوتے ہیں وہ ہمیشہ ہی سے غریب، محتاج اور دکھی رہتے ہیں۔ اور جو یہ سب نہیں ہوتے وہ مالدار ہوتے ہیں۔ دنیا کا ہر طرح کا عیش انہیں میسر آتا ہے "

اس نے دکھ کے ساتھ کہا۔

" لکشمی اور سرسوتی میں تو جنم جنماں کا بیر چلا آرہا ہے تپاجی "

وہ غمناک لہجہ میں بولی۔

" اور پھر یہ تو ہمارے دلیش کی بدنصیبی ہے ہی کہ وہ بھوکے مریں جو فنکار ہوں۔ جو لائق فائق اور قابل ہوں۔ اور وہ عیش کریں جو جاہل۔ کندہ ناتراش اور نکمے ہوں۔ جو محض ایک کے دو اور دو کے چار بنانا جانتے ہوں۔ یہ ہمارا دلیش تو ہے ہی بنیوں، لالاؤں اور سود خوروں کا دلیش "

وہ یکدم سے بولی۔

" مجھے پرشانت بابو کی یہ حالت آپ سے جان کر دکھ ہوا ہے تپاجی "

اور اشوک بابو یکدم سے بولے۔

" اگر ہم انہیں اپنی حویلی میں تھوڑی سی جگہ دیدیں تو "؟

انہوں نے جھٹ سے کہا۔

" ہمارے پاس مردانے ہی میں کتنی بڑی جگہ ہے اور کتنے کمرے۔ یونہی فضول

خالی پڑے ہیں - اگر ہم ایک کمرہ بھی پرشانت بابو "
اور بینا جھٹ سے بولی -
"آپ ہمیں اگر یہ چاہتے ہیں تو ضرور کوٹھی میں جگہ دیدیجئے پتاجی "
اور پھر اُسنے فوراً ہی سوال کیا -
"اُن کے ساتھ اور کون کون ہے پتاجی -؟"
" اور کوئی نہیں ہے بیٹی - وہ اکیلے ہی ہیں "
" ہاں ــــ ! وہ اکیلے ہیں ــ!!"
" ہاں بیٹی ــ ماں باپ نہیں ہیں - سورگباش ہو چکے ہیں - صرف ایک چھوٹی بہن ہے "
" وہ کہاں ہے ــ ؟"
" پٹنہ میں " آشوک بابو بولے " پرشانت جی پٹنہ کے رہنے والے ہیں - وہیں اُن کا چھوٹا سا ایک گھر ہے - ان کی بہن الورادھا وہیں رہتی ہے - پٹنہ یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے "
" اچھا ــ !"
" ہاں بیٹی " آشوک بابو بولے " اور یہ یہاں ریسرچ کر رہے ہیں - "
" اور یہ پرشانت جی ہوسٹل میں ہیں "
" نہیں بیٹی " آشوک بابو بات کاٹ کر بولے " ہوسٹل کا خرچ اُن کے لئے مشکل ہے - ابھی تو گڑھی کی سرائے میں رہتے ہیں "
" پھر اُن کا خرچ پتاجی - اور اُن کی بہن کا خرچ - دونوں کی اسٹڈی ــ ؟"
" بھائی بہن دونوں کو اسکالرشپ مل رہی ہے اور اسی میں جیسے تیسے کرکے دونوں اپنا اپنا خرچ اٹھا لیتے ہیں "

"بیچارے —!" مینا کی آنکھیں بھر آئیں۔ "اس دھرتی پر ہم انسانوں کے سانحے کیا کیا نہیں ہو جاتا"۔

وہ افسردگی سے بولی۔

"اور یہ سب کچھ جو ہوتا ہے وہ ہم انسانوں ہی کے ہاتھوں ہوتا ہے"۔

وہ نفرت اور حقارت سے بولی۔

"انسان انسان کا دشمن ہے۔ نہ جانے بھگوان نے منش کا جنم رکھا ہی کیوں۔ اُسنے انسان پیدا ہی کیوں کیئے —؟"

اُسنے گردن جھٹکی۔

"کیا ضرورت تھی آدم کو پیدا کرنے کی۔ اور پھر اگر آدم کو پیدا ہی کیا تھا تو اُسے اپنی اس دھرتی پر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی بھگوان کو"۔

وہ بہت زیادہ افسردہ ہو گئی۔

"کیا اسی لئے کہ اُس کا انسان اُسکی اس دھرتی کے ذرے ذرے کو خون میں ڈبو دے۔ اور وہ بھی اپنے ہی بھائیوں کے خون میں"۔

وہ جوش میں بولی۔

"میں تو یہی کہوں گی پتا جی کہ بھگوان نے انسان کو پیدا کر کے اور پھر اُسے اس دھرتی پر بھیج کر سخت غلطی کی ہے۔ اُسے بھی شائد اب اپنی اس غلطی پر پچھتاوا ہو رہا ہوگا"۔

اور پھر اُسنے جیسے کہ اُلجھ کر کہا۔

"آپ تو پرشانت جی کو بلا لیجئے یہاں۔ اگر آپکی بھی مرضی ہو تو پتا جی۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے"۔

"میری مرضی تو ہے ہی بیٹی"۔ اشوک بابو بولے۔ "میں تو تم سے پوچھنے آیا تھا"۔

"آپکی مرضی کو مجھ سے پوچھ گچھ کی کوئی ضرورت نہیں ہے پتا جی"۔

نیلا نے لجاجت اور شرمساری سے کہا۔

"آپ ایسا کر کے مجھے شرمسار اور مجھے گنہگار بناتے ہیں پتا جی"

وہ زور دے کر بولی۔

"میں پھر بھی آپکی بیٹی ہوں۔ اور آپ میرے پتا ہیں۔ اور ماں باپ کی مرضی اولاد کے رحم و کرم اور اُسکی اجازت کی محتاج کبھی نہیں ہوتی۔ اور اُسے ہونا بھی نہیں چاہیئے پتا جی"

اور پھر اُسنے ایک بار اور کہا۔

"آپ پرشانت جی کو بُلا کر انہیں باہر کا کوئی کمرہ دیدیجئے"

اور پھر اُسنے پوچھا۔

"آپ پرشانت جی سے یہ بات کہہ چکے ہیں کیا۔؟"

"کیا ۔۔۔؟"

"یہی کہ آپ انہیں اپنی حویلی میں بُلا کر رکھنے والے ہیں۔"

"نہیں بیٹی" آشوک بابو بولے۔ "ابھی نہیں"

اور پھر انہوں نے کہا۔

"میں تم سے بغیر پوچھے اور تمہاری مرضی معلوم کیئے بغیر اتنا بڑا قدم کیسے اُٹھا سکتا تھا"

اور پھر وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر چہکے۔

"البتہ اب میں اُن سے یہ بات ضرور کہونگا"

وہ بہت زیادہ خوش دکھائی دے رہے تھے۔

"بلکہ اب تو میں اُن سے اصرار کروں گا اور میں ضد کروں گا اُن سے کہ وہ گڑھی کی سرائے چھوڑ کر میرے یہاں آجائیں"

اور پھر وہ انتہائی خوش باہر مردانے میں آ گئے۔

پرشانت بابو سے ملتے ہی آشوک نے کہا۔

"میں آج اپنی ایک ضد لے کر آپ کے پاس آیا ہوں پرشانت جی۔"

"اچھا ---!" پرشانت جی مسکرائے۔ "ضد کی ضرورت آپکو میرے بارے میں اس لئے نہیں ہوگی آشوک بابو کہ میں آپکا ہر حکم بغیر چوں چرا کے مان لوں گا۔"

وہ چند لمحے توقف کے بعد بولے۔

"فرمایئے۔ کیا حکم ہے آپ کا ---؟"

"حکم نہیں۔" آشوک بابو بولے۔ "بنتی۔ درخواست، آرزو۔"

"فرمایئے۔"

"آپ یہاں نہیں رہیں گے۔"

"پھر ---!"

"آپ ابھی ابھی میرے ساتھ چلیں گے۔ اور اب سے جب تک کہ آپ الہ آباد میں رہیں گے، میرے ساتھ رہیں گے۔"

"اتنی بڑی زحمت کریں گے آپ میرے لئے۔" پرشانت جی بولے۔ "یہ تو آپکا بہت بڑا اپکار ہو جائے گا میرے لئے۔"

"زحمت تو نہیں البتہ راحت کہہ لیجئے اسے اور یہ میرا اپکار نہیں بلکہ آپ کا اپکار ہوگا میرے اوپر۔"

آشوک بابو نے کہا۔

"اگر آپ مجھے میری یہ سچی خوشی دے سکتے ہیں تو دیر نہ کیجئے۔"

پرشانت جی گومگو کی حالت میں بڑی عاجزی سے بولے۔
"میں کچھ فقیر صفت آدمی ہوں آشوک بابو۔ مجھے یہاں کوئی تکلیف تو ہے نہیں۔ پھر اس سے حاصل کہ میں آپکو تکلیف دوں"
"تکلیف نہ سہی مجھے خوشی تو دے سکتے ہیں آپ" آشوک بابو نے کہا "تو بس یہی خوشی تم آپ مجھے دیدیجئے"
اور پھر انہوں نے لجاجت سے کہا۔
"پلیز ——!"
اور آشوک بابو کے اس خلوص کے آگے پرشانت کی خودداری جواب دے گئی۔ وہ بہت زیادہ ممنون ہونے ہوئے، لیکن اپنے دل پہ جبر کرتے ہوئے بولے۔
"اچھا صاحب — آپکا حکم سر آنکھوں پر۔ میں آپکی اس حسین کوٹھی کے لائق تو ہوں نہیں۔ لیکن چونکہ گلوں کے ساتھ خار بھی ہوتے ہیں لہٰذا مجھے منظور ہے"
"مجھے آپ کی اس ہاں اور آپکی اس منظوری پر بیحد خوشی ہوئی ہے پرشانت جی"
آشوک بابو نے دل سے خوش ہوتے ہوئے کہا۔
"میں ان لمحات کی یاد اپنے دل میں ہمیشہ زندہ رکھوں گا جبکہ آپ نے ہاں کی ہے"
"اگر دنیا کے سارے بڑے لوگ، آپ جیسے ہو جائیں تو یہ دنیا بڑی حسین اور بڑی رنگین ہو جائے آشوک بابو"
پرشانت نے بیحد متاثر ہوتے ہوئے کہا۔
"آپکی یہ انسان دوستی میں ساری زندگی یاد رکھوں گا"
اور پھر وہ اسی وقت آشوک بابو کیساتھ اُن کی کوٹھی پر آگئے۔

پرشانت نے اشوک بابو سے کہا۔

"ایک بات اب آپکو میری ماننی پڑیگی اشوک بابو"

"حکم دیجئے پرشانت جی"

"آپ نے اپنی کوٹھی کا یہ سب سے بڑا اور سب سے خوبصورت کمرہ مجھے دیا ہے۔ ساتھ میں ایک کمرہ اور بھی ہے۔ اور یہاں میرے لئے سب کچھ ہے ہر طرح کا آرام ہے مجھے۔ لیکن ایک تکلیف ہے۔ اور آپ میری یہی تکلیف دور کر دیجئے"

"تکلیف ہے آپکو ---!"

اشوک بابو شرمسار ہوتے ہوئے پُر اضطراب ہو کر بولے۔

"کیا تکلیف پہونچی ہے آپکو--؟"

"کھانے پینے کی--"

پرشانت نے کہا۔

"اور یہی تکلیف میرے لئے سب سے بڑی تکلیف ہے"

"ارے ---!" اشوک بابو بہت زیادہ متحیر ہوتے ہوئے بولے: کیا ہمارے یہاں کا کھانا آپکو پسند نہیں آرہا--؟"

"پسند تو اتنا آرہا ہے مجھے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ لیکن ---"

اور اشوک بابو بات کاٹ کر بولے۔

"پھر ------!"

"یہ کھانا کھا کر میرا نفس موٹا ہوتا جائیگا آشوک بابو - میری عادت بگڑ جائیگی - اور پھر وہ موٹا جھوٹا جو کہ میرا مقدر ہے اور جو میری فطرت ہے مجھے پسند نہ آئیگا - اور پھر میں بے راہ رد ہو جاؤں گا"

انہوں نے لجاجت سے کہا -

"بس اب آپ یہ مہمانی ختم کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنا انتظام آپ کر لوں - میں خود بھی کھانا بنا لیتا ہوں - اور کبھی کبھی میں باہر بھی کھا لینے کا عادی ہوں -"

"لیکن ـــ"

"نہیں آشوک بابو - پلیز - ورنہ میں آپکے یہاں نہ رہ سکونگا"

اور پھر آشوک بابو کو مجبوراً خاموش ہو جانا پڑا - پرشانت نے کہا -

"میں یہاں اپنے لئے اسٹوو جلا سکتا ہوں نا - ؟"

"آپ جو چاہیں یہاں کر سکتے ہیں - یہ کوٹھی آپکی ہے - لیکن ـــ"

اور پرشانت نے جھٹ سے کہا -

"بہت بہت شکریہ آپکا - بس میرے لئے یہی کافی ہے"

"لیکن ـــ!"

"نہیں آشوک بابو"

پرشانت ہاتھ جوڑنے لگا -

"میری فطرت کے خلاف آپ مجھے مجبور نہ کیجئے"

اور پھر آشوک بابو بہت مجبور ہو کر اس مسئلہ پر آگے کچھ نہ بول سکے -

پرشانت نے خوش ہو کر کہا -

"آپ کا یہ ایک اور احسان ہوا ہے میرے اوپر -"

ناول

آپسے دل سے کہا

اسنے دل سے کہا۔

"جیسے میں سدا یاد رکھوں گا"

اور پھر وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔

دادی ماں نے اُبکائی آ جانے والے انداز میں، بُرا سامنہ بنا کر

اپنا فیصلہ سنایا۔

"آج سے تم میرا چوکا الگ کر دو بنیا"

"ارے ــــ" بنیا حیران پریشان ہو کر بولی "یہ کیوں دادی ماں؟"

"میں ہر ایرے غیرے کے ساتھ ایک ہی رسوئی کا بھوجن کر کے اپنے آپکو

نرکھ میں نہیں ڈال سکتی"

انہوں نے اپنا ہاتھ نچا کر کہا۔

"اشوک تو بہت پڑھ لکھ کر ادھرمی ہو گیا ہے"

وہ بیزاری سے بولیں۔

"لیکن بھگوان کی کرپا سے میرا دھرم ابھی نشٹ نہیں ہوا"

وہ غصہ سے بولیں۔

"مجھے ابھی ابھی پتہ چلا ہے کہ وہ جو یہاں رہنے آیا ہے وہ بھی اسی چوکے

سے کھاتا ہے"

وہ اپنا سینہ کوٹنے لگیں۔

"ہائے رام ــ کیسے پاپی اور کیسے ادھرمی ہو تم لوگ، جو تم لوگوں نے مجھے

اتنے دنوں تک اندھیرے میں رکھا۔ اور میں اُسی چوکے کا کھاتی رہی جب

کہ وہ کھاتا رہا۔"

ننیا کو ہنسی آ رہی تھی۔ لیکن وہ دادی ماں کے سامنے اپنی ہنسی کو روکتے ہوئے بولی۔

"ارے دادی ماں۔ تو اس میں ہوا کیا۔ وہ بھی تو ہندو ہے۔"

"ہوا کرے۔"

"اور پھر تمہارے برتن تو سدا سے الگ چلے آ رہے ہیں دادی ماں۔"

"ہائے رام۔" دادی ماں اپنا ماتھا پیٹ کر بولیں۔ "لو اور سنو۔ میرے برتن الگ ہیں! تو کیا تم مجھے اسی کے برتن میں بھوجن بھی دینا چاہتی تھیں کیا بیٹا۔" وہ جیسے کہ لرز گئی ہوں۔

"رام، رام، رام۔ یہ بھی سہی کیا کم پاپ ہوا مجھ سے کہ میں نگوڑی اسی کے چوکے کا کھاتی رہی جس سے کہ وہ کھاتا رہا۔ آدھا دھرم تو میرا یوں سمجھو کہ نشٹ ہی ہو چکا ہے۔"

وہ غصہ ہو گئیں۔

"خبردار جو پھر کبھی ایسی بات کی ہو۔"

"اچھا، اچھا، دادی ماں۔"

ننیا نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"اب ایسی غلطی نہ ہو گی۔"

اور پھر اس نے دادی ماں کو ایک ذرا سا اور چھیڑا۔

"لیکن وہ برہمن ہیں دادی ماں برہمن۔"

"ہوگا لگے۔" وہ جل کر بولیں۔ "کون جانے وہ کیا ہے۔"

اور ابھی وہ اس گھر کا دانہ پانی اپنے اوپر حرام کرنے جا رہی تھیں کہ

نینا بولی۔
"اچھا، اچھا دادی ماں۔ آپ غصّہ نہ کیجئے۔ انہیں اب اس جگہ سے کھانا نہ ملے گا۔"
وہ آہستہ سے بولی۔
"انہوں نے خود سے کھانے سے انکار کر دیا ہے۔"
"کیا۔؟"
"انہوں نے خود سے کہا ہے کہ اب وہ ہمارے یہاں نہیں کھائیں گے۔"
نینا نے زور سے کہا اور دادی ماں بولیں۔
"میری آتما کی چیخ اس کے دل نے سُن لی ہو گی۔"
اور پھر وہ جلدی جلدی مالا پھیرانے لگیں۔

دادی ماں ساری جان سے لرز رہی تھیں۔ پوری کوٹھی انہوں نے چیخ چیخ کر سر پہ اٹھا رکھی تھی۔ اور اس سارے ہنگامے اور چیخ و پکار کی وجہ یہ تھی ساری کرم نانے، اوپر سے جبکہ وہ کوٹھی کے اندرونی صحن میں بیٹھی مالا پھیرا رہی تھیں ایک چیل گذر گئی تھی۔
اور اُس چیل کا سایہ اُن کے اوپر سے پورے کا پورا گذر گیا تھا۔ یہاں تک کہ اُن کی مقدس مالا کے اوپر سے بھی یہ سایہ گذرا تھا۔ اور وہ خدائی قہر اور بھگوان کے عتاب سے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔
"ہائے، ہائے" وہ دہائیاں دے رہی تھیں "اب میں سیدھی نرکھ میں جاؤں گی۔"

وہ بچھاڑ جب کھا رہی تھیں ۔

"میرا سارا کیا دھرا مٹی میں مل گیا ۔ میری جوانی سے لیکر کے ابتک کی تپسیا بھنگ ہو گئی"

"آخر وہ کیسے دادی ماں"

بینا انہیں سمجھانا چاہ رہی تھی ۔

"بھلا ایک ذرا سا چیل کا سایہ پڑ جانے سے تمہاری تپسیا کیسے بھنگ ہو سکتی ہے ۔ اور پھر اس میں تمہارا قصور بھی کیا ہے دادی ماں ۔ چیلیں تو ہوا میں اڑا ہی کرتی ہیں ۔ کیا ہوا اگر کسی چیل کا ایک ذرا سا سایہ تم پر پڑ گیا تو"

"ارے تم ادھرمی کیا سمجھو گی" وہ آہ و زاری کرتے ہوئے بولیں "یہی تو پاپ ہے"

وہ بینا کو ڈپٹ کر بولیں ۔

"یہ چیل کوّے، گدھ ماس نہیں کھاتے کیا"

اور پھر جیسے کہ انہیں یاد آ گیا ۔ اور وہ اور زیادہ تڑپ گئیں ۔ واویلا کرتے ہوئے بولیں ۔

"رام دہائی ۔ میں مر گئی بھگوان"

"ارے کیا ہوا دادی ماں ۔ اب کیا ہوا ۔ ؟"

ان کے پوتے ارون کمار نے پوچھا ۔

"تم تو اور زیادہ چیخنے لگیں ۔ اب نئی بات اور کیا ہو گئی" ؟

"ارے بیٹا ۔ ! وہ مر جانے والے انداز میں بولیں" اب میں سمجھی ۔ اب آیا میری سمجھ میں"

"کیا ۔ ! کیا اب آپکی سمجھ میں آیا دادی ماں ۔ ؟" ارون کمار نے پوچھا ۔

اور وہ بھگوان کے ڈر سے لرزہ براندام ہوتے ہوئے رو دیں۔

"وہ تو چیل بھی نہیں تھی"

"پھر ——!"

وہ پچھاڑ کھا کر گر پڑیں۔

"وہ تو گدھ تھا گدھ"

"گدھ —— !"

"ہاں، ہاں گدھ۔ وہ گدھ تھا"

وہ بسور کر بولیں۔

"جبھی تو سوچوں کہ اس کا سایہ اتنا بڑا کیسے تھا۔ وہ اوشیہ گدھ تھا"

"تب تو آپ کو اتنا غم نہ کرنا چاہیے دادی ماں" نینا بولی "اگر وہ گدھ تھا تو کوئی بات نہیں"

"کوئی بات نہیں ——! وہ کیسے ——؟" دادی ماں نینا کا مذاق اڑاتے ہوئے بولیں۔

"گدھ تو بڑا اچھا ہوتا ہے۔ اسے تو مارنا بھی پاپ ہے" نینا بولی۔

"بھلا کیوں ——؟"

"ارے واہ دادی ماں" نینا نے کہا "آپ تو دن رات رامائن کا پاٹھ کرتی ہیں۔ اور آپ کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ بھگوان رام نے گدھ کی کتنی سیوا کی ہے"

"گدھ کی سیوا ——!"

"ارے ہاں، ہاں دادی ماں" نینا بولی "وہ جب راون سیتا ماں کو اٹھا کر لے جا رہا تھا تو آسمان پہ گدھ نے ہی تو راون کو روکا تھا۔ اور راون کی اس کی خوب لڑائی ہوئی تھی۔ پھر راون نے اسے زخمی کر دیا تھا اور وہ بیچارا زمین پر گر پڑا

تھا۔ پھر اُسی نے بھگوان رام کو یہ بتایا تھا کہ سیتا ماں کو دُشٹ راون اُٹھا لے گیا ہے۔ اور پھر رام اور لکشمن دونوں نے مل کر اس گھائل گدھ کی مرہم پٹی کی تھی۔ اور رام نے گدھ کو دل سے دعا دی تھی کہ اُس نے سیتا ماں کے بارے میں انہیں سب کچھ بتا کر انہیں کہیں اور بھٹکنے سے بچا لیا ہے۔"

"ارے ہاں، ہاں" دادی ماں بولیں "میں تو بھول ہی گئی تھی"

"پھر آپ کے سر پر اُسکا سایہ اتنا گھور پاپ کیسے ہو گیا دادی ماں" ارون کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہا "گدھ کی سیوا تو خود بھگوان رام نے کی ہے۔ اُسکی مرہم پٹی کی ہے اور اُسے اپنی چھاتی سے لگایا ہے۔ اُسے آشیرواد دی ہے۔"

نینا بولی۔

"اور نہیں تو کیا۔ تمہیں تو اس بات پر خوش ہونا چاہیئے دادی ماں کہ تم پر اس پرند کا سایہ پڑا ہے جو بھگوان رام کا چہیتا ہے۔"

اُس نے بات اور آگے بڑھائی۔

"بلکہ اب تو اُس کا سایہ پڑ جانے کے بعد آپ سیدھی سورگ میں جائیں گی نرکھ کی آگ آپ پر حرام ہو گئی ہے۔"

"لیکن وہ تو ماس کھاتا ہے۔"

دادی ماں ابھی بسور نے جا ہی رہی تھیں کہ نینا بولی۔

"ماس تو بھگوان رام بھی کھاتے تھے۔ اور بڑے بڑے رشی منی بچھڑے کا بلیدان دیتے تھے۔ بلکہ پرانوں میں تو یہاں تک لکھا ہے دادی ماں کہ ایک رشی کی دعوت میں راجہ رام کے پُرکھے اور اُن کے پورے فوجیوں کو ایک ہی بچھڑے کے گوشت سے پیٹ بھر بھوجن کرا دیا گیا تھا۔"

"رام، رام، رام" دادی ماں چیخیں "یہ سب جھوٹ ہے۔"

اور پھر وہ الجھتے ہوئے بولیں۔

"نہ جانے یہ ہمارے بھگوان رام ماس کیوں کھاتے تھے۔"

وہ گڑبڑا کر رہ گئیں۔

"ماس ـــ! رام، رام، رام"

اور پھر وہ جلدی جلدی مالا پھیراتے ہوئے بولیں۔

"کچھ بھی ہو۔ میں ابھی گنگا اشنان کرنے جاؤنگی"

اور یہ کہہ کر وہ مالا ہاتھ میں لئے ہڑبڑا کر اٹھیں اور چوکی سے نیچے گر پڑیں۔ ارون اور نینا نے انہیں آگے بڑھ کر سنبھال لیا تھا۔

نینا ان ہستیوں میں تھی جو حد درجہ سلجھے ہوئے دل و دماغ کی مالک ہوتی ہیں۔ جب وہ بیوہ ہوئی تو اسکی عمر ساڑھے چودہ پندرہ سال سے زیادہ نہیں تھی یا زیادہ سے زیادہ سال چھ مہینے کا فرق اسکی اس عمر میں اور رہا ہوگا۔ مطلب یہ کہ وہ اسوقت بچہ ہی تھی۔ ایک نوجوان لڑکی جس کے دل میں نہ جانے کتنی امنگیں اور آرزوئیں ہوتی ہیں۔ لیکن نینا کے دل میں اسوقت بھی کوئی امنگ یا کوئی آرزو ایسی نہیں تھی جو اسکی زندگی میں نئے نئے انقلابات کو جنم دے سکے۔

اور پھر وہ اپنی عمر کی منزلوں کو اپنے اسی ٹھنڈے مزاج کے ساتھ طے کرتی رہی۔ پھر وہ سترہ اٹھارہ سال کی ہوگئی۔ لیکن اور دوسری لڑکیوں کی طرح اسکی زندگی میں کوئی نیا انقلاب نہ آیا۔

اور پھر وہ بیس بائیس سال کی ایک جوان عورت ہوگئی۔ لیکن وہ

جیوں کی تیوں رہی۔ نہ تو برسات کی گھنگور گھٹاؤں نے اُسکے دل میں کوئی ہلچل مچائی اور نہ کوئل کی کوک سے وہ دیوانی ہوئی۔

نہ تو پپیہے کی "پی کہاں، پی کہاں" کی رٹ نے اُس کے دل میں چٹکی لی اور نہ اودے اودے بادلوں کو دیکھ کر وہ لہرائی۔

نہ تو ساون اور بھادوں کی کالی راتوں نے اسے سونے سے چونکایا اور نہ رم جھم کرتی ہوئی حسین، مترنم پھواروں کی تان پر اُس کا دل دھڑکا۔

وہ اپنی زندگی کے یہ ماہ و سال اسی طرح گذارتی رہی اور گذارتی چلی گئی۔ نہ جانے وہ کس مٹی کی بنی ہوئی تھی کہ ایکدن جبکہ ابھی وہ اکیس سال کی تھی اُسکی بچپن کی سہیلی سرسوتی اُس سے ملنے آئی۔

سرسوتی کے ساتھ اُسکا نیا نویلا شوہر بھی اُسکی حویلی پر آیا ہوا تھا۔ سرسوتی کا شوہر باہر مردانے میں بیٹھا تھا اور یہ دونوں اندر تھیں کہ سرسوتی نے بات نکالی۔

"تمہارے چچا جی بہت اچھے ہیں"

"خوشی کی بات ہے بہن" نینا پوری سنجیدگی کیساتھ بولی "بھگوان تمہیں سدا سکھی رکھیں"

"اس دفعہ میں اپنے اُن کے ساتھ گرمیوں میں کشمیر گئی تھی"

"اچھا — !"

"ہاں" سرسوتی جیسے کہ مدہوش ہوتے ہوتے بولی "وہاں سچ پوچھو بہن تو زندگی کا صحیح لطف آ رہا تھا"

اُسنے وضاحت کی۔

"ہم ایک ہفتہ پہلگام میں رہے۔ ریگل ہوٹل میں ہم دونوں ٹھہرے تھے"

وہ جیسے کہ مدہوش ہوئی جا رہی تھی۔

"رات، حسین رات نینا ڈیئر۔ تاروں بھری رات اور پچھلے پہر کا وہ حسین چاند جب نکلا ہے بہن تو کچھ نہ پوچھو کہ ہماری کیا حالت ہوئی۔ ہمارے سامنے اونچے اونچے پہاڑ تھے جو برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔ اور جب چاند کی کرنیں اس پر پڑ رہی تھیں تو ہمیں دنیا ہی میں سورگ کا مزا آ رہا تھا۔ اور پھر تمہارے جیجا جی کا ساتھ"

اور نینا نے اس کے بعد اپنے ذہن پر زور دیکر اپنے کان بند کر لئے۔ اور اس کے بعد سرسوتی کیا کیا کہتی گئی۔ اُسنے کچھ بھی تو نہ سُنا۔

اور پھر وہ بیچاری گی بوکھلا کر بولی۔

"اچھا، اچھا۔ اب کوئی اور بات کرو بہن"

"کیوں ---؟"

"بس یونہی"

اور پھر اُسنے گھبرا کر پوچھا۔

"اچھا یہ بتاؤ پہلے کہ تم کیا پیوگی"

"مجھے تو شراب وصل سے اچھا کچھ نہیں لگتا نینا ڈیئر"

اور وہ سرسوتی کی اس بات کو سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

"تم یہ بتاؤ سرسوتی کہ تم یہاں الہ آباد میں اور کب تک رہوگی"؟

"کہیں بھی رہوں اور کب تک رہوں نینا ڈیئر" سرسوتی مزا لیتے ہوئے بولی۔

"اس سے فرق کیا پڑتا ہے۔ تمہارے جیجا جی ساتھ ہوں تو میں نرک میں بھی خوش رہ سکتی ہوں۔ اسلئے کہ خوش رکھنے کا گر انہیں آتا ہے"

اور نینا اُسکی اس بے حیائی کی حد تک بے تکلفی پر زچ کھا کر بولی ۔

"ان باتوں کے علاوہ بھی اور کچھ باتیں ہو سکتی ہیں جو کی جاتی ہیں۔"

"نینا ——!"

سرسوتی نے نینا کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔ اُس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

"سچ پوچھو تو نینا ڈارلنگ" وہ جیسے کہ مدہوش ہوتی جا رہی تھی۔ "جیون میں ایک حسین ساتھی کی سرمستیوں کی باتوں کے علاوہ اور ساری باتیں ہیچ ہیں۔"

اور پھر وہ یکبارگی بولی۔

"کبھی کوئل کی کوک اور پپیہے کی ہوک سُنی ہے تم نے؟"

"سرسوتی ——!"

نینا نے اُسے خشمگیں نظروں سے دیکھا۔

"کوئی اور بات کرو۔"

"کوئی اور بات —!"

سرسوتی شرارتاً مسکرائی۔

"کہہ جو دیا کہ ان باتوں کے سوا ساری اور دوسری باتیں ہیچ ہیں نینا ڈیر۔ بجز ہم لوگس سے کورس۔"

"تو پھر تم یہ باتیں کسی اور کو سناؤ جا کر۔"

نینا ناراضگی سے بولی۔

"تم میرا دل دُکھانے پر کیوں تُلی ہوئی ہو بہن۔"

اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آہستہ سے بڑبڑائی۔

"تم یہ بات بھول گئی ہو شاید کہ میں بیاہی ہوں۔"

اور پھر ضبط اور کوشش کے باوجود اُس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"نینا ــــ!"

سرسوتی نے اُسے جھنجھوڑا۔

"آئی ۔ ایم ۔ سو، سوری نینا ڈیئر"

وہ بالکل ہی بکھر کر اپنی بچپن کی سہیلی سرسوتی کی گود میں اپنا سر رکھ کر پھوٹ پڑی۔

"ارے، ارے نہ!"

سرسوتی اُسے سنبھالتے ہوئے بولی۔

"چپ، چپ، چپ۔ بھگوان کے لئے۔

وہ یکدم بپھر کر اُٹھی۔

"بھگوان کے لئے تم اپنے گھر جاؤ سرسوتی"

وہ ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

"میرے علاوہ تمہاری اور بھی سہیلیاں ہیں۔ جو میری طرح ابھاگن نہیں ہیں"

اور پھر وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ اُس نے اندر سے کمرہ بند کر لیا۔ وہ بلک بلک کر اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

نینا دیدی نہ صرف یہ کہ حویلی کے اندرونی حصّہ کی صاف صفائی اور دیکھ بھال کا خیال رکھتی تھیں۔ بلکہ وہ ہر ہفتہ حویلی کا باہری حصّہ بھی اپنی نگرانی میں صاف کراتی تھیں۔ حویلی کے باہری حصّے کے ہر کمرے کو وہ خود دیکھتی تھیں۔ اُسکی صاف صفائی کراتی تھیں۔ اُسے سجاتی تھیں، بناتی اور سنوارتی تھیں۔

کوٹھی کے دو طرفہ لان کی دیکھ بھال اور اُسکے پودوں کی تراش خراش کے علاوہ نوکروں کے کوارٹرز تک کی نگرانی کرتی تھیں۔ اُن کی بھی صفائی اور نفاست کا خیال رکھتی تھیں وہ۔

اور یہ سارے کام وہ اُسوقت انجام دیتی تھیں جب کوٹھی کے کسی حصہ میں باہر کا کوئی نہ ہوتا تھا۔ یا وہ یہ اہتمام کرا دیتی تھیں کہ وہ اپنا کام تو انجام دلاتی رہیں لیکن اُن کا آمنا سامنا کسی سے بھی نہ ہونے پائے۔

جینا بجہ آج بھی اُنکی یہی مہم جاری تھی۔ اور وہ کوٹھی کے ملازم بچوں کو لے کر

اور کوٹھی کی ملازماؤں کے ساتھ مل کر کوٹھی کا کونہ کونہ صاف کرتی پھر رہی تھیں کہ اچانک وہ پرشانت بابو کے کمرے میں چلی گئیں۔

پرشانت بابو کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ وہ جب بھی باہر جاتے تھے اپنے کمرے میں تالہ نہیں ڈالتے تھے۔ بلکہ کمرے کو یونہی بھیڑ کر اور کبھی باہر سے کنڈی لگا کر چلے جاتے تھے۔

نینا اُس طرف بھی آئی۔ اُسنے یہ نہ جانتے اور سمجھتے ہوئے کہ یہ پرشانت بابو کا کمرہ ہے۔ کمرے کی کنڈی کھولی اور کمرے کے اندر آ گئیں۔

اُن کی حویلی کا یہ ڈبل کمرہ تھا۔ وہ اندر آ کر ایک ذرا سا ٹھٹکی۔

"اوہ ۔۔!" وہ بڑبڑائی "یہ پرشانت جی کا کمرہ ہے شاید"

اُسنے کمرے میں مختصر سے سامان کو دیکھ کر اندازہ لگا۔ اور پھر وہ آگے بڑھی۔

"کتنا گندہ ہو رہا ہے یہ کمرہ"

اُسنے جیسے کہ خود سے کہا۔ اور بغیر کسی خاص خیال یا احساس کے انہوں نے اپنی عادت کے مطابق کمرے کی صفائی شروع کر دی۔ سب سے پہلے انہوں نے کمرے کا فرش صاف کیا۔ اُس پر کافی گرد تھی۔ وہ جھاڑو لگاتی رہیں۔ اور پھر انہوں نے جھاڑو لگاتے لگاتے آواز دی۔

"گووندی"

اور جب اُن کی آواز پر ملازموں کے کوارٹر کی ایک لڑکی بھاگی بھاگی آئی تو انہوں نے اُس سے کہا۔

"بالٹی میں پانی اور کپڑا لے کر آؤ۔ اس کمرے کا فرش کافی میلا ہے۔ اسے دھو کر صاف کرو۔ ساتھ میں صابن بھی لیتی آنا"

اور پھر وہ ملحقہ کمرے میں گئیں۔ اس جگہ کو پرشانت نے کچن بنا رکھا تھا۔ دو ایک المونیم کی معمولی دیگچیاں تھیں۔ دو ٹین کی پلیٹیں تھیں۔ چائے کے دو کپ تھے۔ پیتل کی ایک تھالی اور پیتل ہی کی چند کٹوریاں تھیں۔ المونیم کی ایک کیتلی تھی۔ اور ایک طرف چائے کا سامان تھا جو بے ترتیبی سے ادھر اُدھر پڑا تھا۔ ایک جگہ اسٹوو رکھا ہوا تھا۔ ایک میلی سی ماچس تھی۔ اور ایک بوتل میں مٹی کا تیل تھا۔ کھانا پکانے کی اور بھی ضروریات کی معمولی چیزیں تھیں۔

"اوہ — !" نینا دیدی چونکیں۔ "تو یہ کھانا بھی یہیں بنانے میں شاید؟"

وہ کچھ دیر نہ جانے کیا سوچتی رہیں۔ پھر وہ اس کمرے سے دوسرے کمرے میں واپس آ گئیں۔ وہ کمرے کی کھڑکی کے پاس تک آئیں۔

ایک چھوٹی سی میز پر بہت ساری کتابیں پڑی تھیں۔ ایک کرسی تھی۔ لکھنے پڑھنے کا سامان تھا۔ اور میز کے پاس ہی ایک پلنگ تھا جس پر بستر بچھا ہوا تھا۔

پلنگ کے نیچے ایک ٹرنک تھا جس میں کپڑے تھے۔ ٹرنک میں بھی تالہ نہیں تھا۔ اسی پلنگ کے نیچے پرشانت کی ایک چپل پڑی تھی اور ایک جوتا اُلٹا پڑا ہوا تھا۔

نینا کے لبوں کے کونوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"مرد کا لاابالی پن۔"

وہ بڑبڑائیں۔ اور انہوں نے ان تمام چیزوں کی ترتیب میں سلیقہ پیدا کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے انہوں نے اس جگہ بھی جھاڑو لگائی۔ پھر گووندنی سے انہوں نے کہا۔

"یہ سارا کمرہ خوب اچھی طرح سے دھو ڈال۔"

اور پھر وہ میز کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اسے جھاڑا۔ پونچھا اور صاف کیا۔ اور کتابوں کی گرد وہ جھاڑ رہی تھیں۔ اور انہیں سلیقے کے ساتھ وہ لگا رہی تھیں کہ انہیں کتابوں کے بیچ میں انہیں ایک تصویر دکھائی دی۔ جو سر سے گر کے ان کی گود میں آ رہی۔

انہوں نے تصویر اپنی گود سے اٹھا کر دیکھی۔

"اوہ —!"

وہ اس تصویر کو بڑے غور سے دیکھنے لگیں۔ یہ پرشانت بابو کی تصویر تھی۔ تصویر کے نیچے پرشانت کا نام لکھا ہوا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ تاریخ بھی درج تھی۔ یہ اب سے صرف دو ماہ پہلے کی بنوائی ہوئی تصویر تھی۔

نہ جانے کیوں وہ اس تصویر کو بغور دیکھ رہی تھیں۔ اپنی طبیعت اور اپنی فطرت کے خلاف نہ جانے کیوں وہ اس تصویر کو دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں۔

اور پھر وہ یکبارگی اس طرح چونکیں، جیسے کہ وہ ڈر گئی ہوں اور پھر نہ جانے کیا ہوا کہ تصویر ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔

وہ ساری جان سے کھڑی لرز رہی تھیں۔

پرشانت بابو جب واپس لوٹے، تو اپنے کمرے کا دروازہ کھولتے ہی وہ دھک سے ہو کر رہ گئے۔ کمرے کی حالت پر نظر پڑتے ہی انکی نظریں جیسے کہ بکھرا گئیں۔

وہ کمرے کے دروازے پر ہی کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ کمرے کی کایا ہی پلٹی ہوئی تھی۔ اور وہ اس کمرے کی اور اپنی تمام چیزوں کی اس پلٹی ہوئی کایا کو

اسی جگہ کھڑے کھڑے حیرت اور تعجب سے دیکھتے رہے۔

یہ پورا کمرہ اور اس کمرے کی ہر چیز - اور اس کمرے کا کونہ کونہ جیسے کہ منہ سے بول رہا ہو - انہیں ایسا لگا جیسے کہ یہ پورا کمرہ ایک نئی نویلی دلہن کی طرح سجا بنا انہیں کنکھیوں سے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا ہو۔

وہ ایک قدم آگے بڑھے - اس انداز میں جیسے کہ ان پر کسی نے جادو کر دیا ہو - پھر ان کے دو، چار قدم اس انداز میں اٹھے جیسے کہ وہ اپنے اسی کمرے میں نہیں بلکہ کسی بھوت بنگلہ میں داخل ہو رہے ہوں۔

متحیر - حیران و پریشان - مسرور اور ششدر - ان کا یہ کمرہ زندگی اور زندگی کی تمام تر لطافتوں اور برکتوں سے مالا مال ہو رہا تھا۔

وہ اپنی میز کے قریب آئے - میز پر ایک حسین اور صاف ستھرا میز پوش مسکرا رہا تھا - ان کی اپنی ہی کتابیں تھیں جو انہیں نئی نئی اور اجنبی لگ رہی تھیں۔

کتابوں کی زندگی پہلے سے نئی تھی - کتابیں صاف ستھری ہو کر جیسے کہ وہ لانڈری سے ابھی ابھی نکھر کر آئی ہوں - قرینے سے میز پر، ایک حسین ترتیب کے ساتھ لگی ہوئی تھیں - اور ان پر خوبصورت خوبصورت ڈسٹ کور چڑھے ہوئے تھے۔

ان کی میز پر قلم بھی تھے اور پنسلیں بھی تھیں اور دوات بھی وہی تھی - لیکن یہ ساری چیزیں بھی نئی ہو کر منہ سے بول رہی تھیں - اور قرینے سے ایک حسین قلم دان کے اندر رکھی ہوئی تھیں۔

ان کی اپنی تصویر بھی تھی - جو ایک نئے، انوکھے اور پیارے نکھار کے ساتھ ایک پکچر فریم میں اور زیادہ دلکش ہو کر مسکرا رہی تھی۔

اور پھر انہوں نے اپنے بستر کو دیکھا۔

"ارے —!"

بے ساختگی میں پرشانت بابو کے منہ سے نکلا۔

اور وہ اپنے بستر کی اس نئی اور انوکھی کروٹ پر مسحور ہو کر رہ گئے۔ بستر کی ہر چیز پرکشش ہو کر منہ سے بول رہی تھی۔

بستر پر بگلے کے پر جیسی سفید چادر بغیر کسی ایک ہلکی سی شکن کے بچھی ہوئی تھی۔ سرہانے دو دو تکیے اپنے حسین کڑھے ہوئے غلافوں کے اندر ایک نئے انداز اور ایک نئی شان کے ساتھ مسکرا رہے تھے۔

بستر کے پائنتی گرد سے پاک وصاف کمبل نہایت ہی سلیقہ کیساتھ، ایک خوبصورت تکون کی شکل میں رکھا ہوا تھا۔ اور زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ "سلیقہ شعار، نازک ہاتھوں کا لمس ہمیں ایک نئی زندگی سے ہمکنار کر دیتا ہے"۔

اور پھر پرشانت کی نظریں ایک کیمرے کی نظروں میں ڈھل کر پورے کمرے کا جائزہ لینے لگیں۔ پورا کمرہ دھلا دھلا کر چم چم چمک رہا تھا۔

اُسکا جوتہ چمک رہا تھا اور اُسکی چپل نکھر کر مسکرا رہی تھی۔ اور سلیقہ کے ساتھ یہ دونوں چیزیں دیوار سے لگی رکھی تھیں۔ پھر اُسنے دیکھا۔

اُسکا ٹرنک صاف ستھرا ہو کر بڑے سلیقہ کے ساتھ پلنگ کے نیچے رکھا ہے۔ اُسنے جھک کر ٹرنک کھولا۔ اب اُس کے کپڑے سلیقے کیساتھ تہہ کیے ہوئے اس ٹرنک میں اس طرح آگئے تھے کہ ابھی اتنے ہی اور کپڑوں کی ضرورت اس میں معلوم ہوتی تھی۔

کمرے کی دیوار پر کٹے پھٹے اور میلے کئی کلنڈروں کی جگہ صرف ایک صاف ستھرا، حسین کلنڈر مسکرا رہا تھا۔

اور اُسکی میز پر حسین ٹیبل کلنڈر کی آج کی تاریخ مسکرا رہی تھی۔

اور ان چیزوں کو دیکھ کر، اس حسین سلیقے پر اُسکا دل بھی مسکرانے لگا۔

وہ دوسرے کمرے میں آیا۔ اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اُسکا یہ کچن بھی مسکرا رہا ہے۔ پیاز اور ترکاریوں کے چھلکے اور کوڑے کا ڈھیر غائب تھا۔ اور کمرے کی صفائی پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ دنیا میں صفائی اور سلیقے سے زیادہ اور کوئی چیز حسین نہیں ہے۔

اُس کے برتن مختصر سے سلیقے سے ایک طرف رکھے ہوئے اس طرح مسکرا رہے تھے جیسے کہ کسی الہڑ دوشیزہ کے حسین صاف ستھرے دانت مسکرا رہے ہوں۔

اسٹوو بھی صاف تھا اور چمک رہا تھا۔ اور اب اُسکی آنکھیں بھی چمک رہی تھیں۔ اور مسکرا رہی تھیں اور اُسکا دل بھی مسکرا رہا تھا۔

جیسے کہ آج زندگی میں پہلی بار اُسکے دل نے مسکرانے کی نعمت حاصل کی ہو۔ اُسکا دل ایک انجانی مسرت اور ایک انوکھی خوشی سے سرشار ہو کر اس کے سینے میں زور زور سے دھڑکنے لگا۔

وہ اُسی جگہ کھڑا تھا اور وہ سوچ رہا تھا۔

"یہ ضرور کسی عورت کے ہاتھ ہیں، جنہوں نے بے جان چیزوں میں سلیقہ بھر دیا ہے۔ اور جنہوں نے ان بے جان اور کم مایہ چیزوں میں جان ڈال دی ہے۔ —— مرد کے ہاتھ اگر تعمیر اور تخلیق کے دیوتا ہیں تو عورت کے ہاتھ اُن تعمیرات اور تخلیقات میں زندگی اور حسن بھرنے کے ذمہ دار ہیں۔"

وہ سوچ رہا تھا۔

"اگر عورت نہ ہوتی تو دنیا کی کسی چیز میں بھی حسن نہ ہوتا۔ سلیقہ نہ ہوتا۔"

"عورت ——!"

زندگی میں آج پہلی بار یہ نام میٹھا سا بنکر اسکی زبان پہ آیا۔ اور وہ عورت کے حسین تصور میں کھو کر بے چین و بیتاب ہو گیا۔

اُس کے دل اور اُس کے دماغ نے پہلی بار عورت کی افادیت، اُسکی اہمیت اور اُسکے وجود کی برکتوں کو تسلیم کیا۔

وہ بڑبڑایا۔

"آج کا دن اور آجکی تاریخ میری زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے"

وہ اس کمرے سے دوسرے کمرے میں آ گیا۔

"میں نے بہت کچھ لکھ پڑھ کر اور سمجھ بوجھ کر بھی ابھی تک کچھ نہیں سمجھا تھا۔ میری تعلیم آج کے دن اور آجکی اس گھڑی سے پہلے تک۔ ادھوری، ناقص اور نامکمل تھی۔"

وہ سوچ رہا تھا۔

"میں فلسفے کی گتھیوں کو تو سلجھاتا رہا۔ فلسفے کی روشنی میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش تو میں کرتا رہا، لیکن زندگی بجائے خود کیا ہے اور زندگی کا صحیح فلسفہ کیا ہے یہ میں آج سے پہلے کبھی نہیں سمجھ پایا تھا۔"

وہ بول پڑا۔

"آریوں سے لے کر آج تک کی تاریخ تو میں مرتب کر رہا ہوں لیکن اس ساری تاریخ کی روح کیا ہے اور اس ساری تاریخ کے پس پشت وہ کونسی قوت ہے اسکی طرف میں نے دھیان ہی نہیں دیا۔ زندگی کے فلسفے تو میں بگھارتا رہا۔ لیکن صحیح زندگی کیا ہے یہ میں نے جانا ہی نہیں تھا کہ جبتک۔ زندگی کی صحیح روح کیا ہوتی ہے یہ میں سمجھ ہی نہیں پایا تھا۔"

"عورت — آدم کی بائیں پسلی سے پیدا ہونے والی یہ حسین کیفیت"

وہ جیسے کہ چونک پڑا۔ یکبارگی بولا۔

"حوّا کی ان بیٹیوں کے بارے میں میری تاریخ دانی کمزور، ناپائیدار، بے بنیاد اور کھوکھلی ہے۔ اُن کے بارے میں میرا فلسفہ ناقص، کمزور اور غلط تھا۔

"اوہ ——!"

وہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔ وہ اپنے ہاتھ مل رہا تھا۔

"جاہل اور کندۂ ناتراش تھا میں آج تک"

اور پھر اُس نے، اپنی میز پر رکھے ہوئے اس ٹیبل کلنڈر کی تاریخ کو بے اختیار چوم لیا۔ آج کا دن —— آج کی یہ تاریخ ——!

جس نے اُسے صحیح معنوں میں انسان بنا دیا تھا۔

وہ کوٹھی کے سامنے والے لان پر بیٹھا تھا اور آج کے انہیں حالات پر غور کر رہا تھا کہ مالی کی لڑکی جو کہ لان پر کے سوکھے پتّے اور تنکے چنتی پھر رہی تھی۔ اُس کے قریب سے گذری۔

"اے ——!"

اُس نے اُسے مخاطب کیا۔ وہ اُس کے پاس آ کر رک گئی۔

"جی ——!"

وہ اُسے منہ اُٹھائے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے"

"کیا بابو جی ——؟"

وہ اُسے منہ اُٹھائے دیکھ رہی تھی۔ اور پریشان اس کشمکش میں

پڑ گیا تھا کہ وہ اُس سے پوچھے یا نہیں کہ وہ پھر بولی۔

"کیا بات ہے بالوجی۔؟"

اور اُس نے پوچھ ہی لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بولا۔

"آج اس کوٹھی کی صفائی ہوئی تھی۔؟"

"ہاں بالوجی" وہ لڑکی بولی "ہر آٹھویں دن ہوتی ہے"

"لیکن میرے کمرے کی تو صفائی نہیں ہوتی تھی"

وہ لڑکی یکدم سے بولی۔

"لیکن آج تو آپ کے کمرے کی بھی صفائی کا کام ہوا ہے بابو"

وہ معصومیت سے بولی۔

"خود نینا دیدی نے آپ کے کمرے کی صفائی کی تھی، اور اُسے اپنے ہاتھ سے ٹھیک ٹھاک کیا تھا"

"ہوں"!

اُس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"یہ نینا دیدی کون ہیں۔؟"

اُس نے اسی دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔ اور وہ لڑکی بولی۔

"ارے۔"! وہ تعجب کر رہی تھی "آپ یہاں اتنے دنوں سے رہ کر بھی نینا دیدی کو نہیں جانتے۔؟"

اُس نے تعجب کی نگاہوں سے پرشانت کو دیکھا۔

"بڑے تعجب کی بات ہے"

اور پھر وہ بولی۔

"نینا دیدی کو تو سب جانتے ہیں"

"ہاں ۔۔۔" پرشانت رکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "لیکن میں نہیں جانتا۔"

اور قبل اس کے کہ وہ لڑکی کچھ اور کہے وہ بولا۔

"یہ کون ہیں نینا دیدی ۔۔؟"

"ہماری دیدی ہیں ۔ ہم سب کی دیدی۔"

وہ لڑکی بولی۔

"ہمارے بڑے سرکار بھی انہیں نینا دیدی کہتے ہیں۔"

"لیکن وہ دیدی ہیں کس کی ۔ ؟"

"ہم سب کی۔"

"کیا یہ نینا دیدی تمہارے بڑے سرکار کی بڑی بہن ہیں ۔؟"

اور وہ یکبارگی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"نہیں جی ۔۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "وہ ہمارے بڑے سرکار کی بڑی بہن کیوں ہوتیں۔"

اس نے معصومیت سے کہا۔

"وہ ہماری نینا دیدی تو ہمارے بڑے سرکار کی بڑی بٹیا ہیں۔"

"اچھا ۔۔۔!"

پرشانت کے منہ سے نکلا ۔ اور اسے کچھ ایسا محسوس ہوا، جیسے کہ اس کا دل اس کے حلق میں آکر اٹک گیا ہو۔ وہ لڑکی اس کے اس "اچھا" کہنے کے انداز پر معصومیت سے بولی۔

"ہاں جی ۔۔۔ چاہے آپ کوٹھی میں کسی سے پوچھ لیجئے بابو جی۔" وہ جیسے کہ چڑ گئی۔ "میں کوئی جھوٹ تھوڑے کہہ رہی ہوں۔"

اور پھر وہ یکدم سے بولی۔

"چاہے آپ خود نینا دیدی سے ہی پوچھ لیجئے"

اور پھر اُس نے یکبارگی اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"کیوں ــ! کیا ہوا ــ؟"

پرشانت نے حیرت سے سوال کیا۔ اور وہ اپنے دانتوں کے بیچ اپنی زبان دبا چکنے کے بعد بولی۔

"ہماری نینا دیدی آپ سے کبھی بات نہیں کرینگی بالوجی"

"کیوں ــ؟"

"رام رام کرو بالوجی، رام رام" وہ رازدارانہ طریقہ پر بولی۔

"ہماری نینا دیدی پردہ کرتی ہیں"

اُس نے پرشانت پر واضح کیا۔

"آج تک کسی پرش نے اُن کی اُنگلی تک نہیں دیکھی۔ سامنے آنے والی بات تو ایک طرف رہی بالوجی"

"اچھا"

"ہوں"

اور وہ اس مختصر سی "ہوں" کے بعد تنکے ٹہنی اور سوکھی پتیاں لان پر سے اُٹھاتی ہوئی چلی گئی۔ اور پرشانت ان پردہ کرنیوالی نینا دیدی کی عجیب و غریب شخصیت کے تصور میں گم ہو گیا۔

پرشانت چپ چاپ کسی گہری سوچ میں ڈوبا بیٹھا تھا۔ اُسکی نگاہیں ایک دلچسپ منظر پر لگی ہوئی تھیں اور وہ اسی منظر میں کھو سا گیا تھا۔

ایک چڑیا، گویا بڑے پروقار طریقہ پر اپنا سر اونچا کیے ہوئے بیٹھی تھی۔ اور ایک چڑا اُسکے سامنے اپنے پروں کو نیچے کیے ناچ رہا تھا۔ اُچک رہا تھا۔ پھدک رہا تھا اور چوں چوں کر کے اسکے گرد گھوم رہا تھا۔ اور اُس پر قربان ہوا جا رہا تھا۔

وہ چڑیا کو بار بار اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اُسکی خوشامد میں لگا ہوا تھا۔ اور یہ مغرور چڑیا اُسے تحقیر بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

اور پھر وہ بڑی بے اعتنائی کے ساتھ پھر سے اُڑ کر، دوسری جگہ بیٹھ گئی۔ چڑا پھر اُسکی خوشامد میں لگ گیا۔ وہ اُسی طرح حقیر، فقیر اور لکیر کا فقیر بنا ہوا ناچ رہا تھا۔ پھدک رہا تھا۔ اور چوں چوں کر رہا تھا کہ چڑیا نے اُسے مارنا اور اپنی چونچ سے نوچنا شروع کر دیا۔

اور وہ چڑیا کی اس مار پر چیں چیں کر کے اور زیادہ جوش و خروش اور محبت کے ساتھ کودنے لگا۔ اور ناچنے لگا۔ چڑیا اُسے مسلسل مارے جا رہی تھی اور وہ جوش میں مار کھا کھا کر ناچے جا رہا تھا۔

اور پھر چڑیا نے اُسے نوچ نوچ کر اُسکے پر گرا دیئے۔ اور اُسے زمین پر گرا لٹا دیا۔ لیکن وہ اپنے اظہارِ عشق سے باز نہ آیا۔

آخر جب چڑیا اُسے مار مار کر تھک گئی تو وہ وہاں سے اُڑ گئی۔ اور وہ شائد زیادہ ذلیل ہونے، پٹنے اور مار کھانے کے لئے اُس کے پیچھے پیچھے اُڑ گیا۔

"یہ ذلیل ہونے پر بھی اُس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہا۔"
برشانت نے سوچا۔

اور پھر جیسے کہ کسی غیبی طاقت نے ہولے سے اُس کے کان میں مٹھاس گھولتے ہوئے کہا۔

"یہ نفرت نہیں یہ پیار ہے۔ اور یہ محبوبہ کا ناز ہے جو وہ نیاز والوں پر کرتی ہے۔ اور ناز کیا ہی جاتا ہے نیاز والوں پر۔ اور یہ ناز اُٹھانا ہی تو شان ہے محبّت کی۔"

پرشانت نے ایک جھرجھری لی۔ اسے محسوس ہوا کہ اُس کا دل اُس سے کچھ کہہ رہا ہے۔ جیسے کہ وہ اُس سے کسی خاص بات کا مطالبہ کر رہا ہو۔

"میں نے اب تک شادی کیوں نہیں کی ـــ!"

نہ جانے کہاں سے، یکبارگی یہ خیال اُسکے ذہن میں آیا۔ اور وہ سوچ میں ڈوب گیا۔

"ہاں ـــ!"

وہ جیسے کہ گہری نیند سے اچانک جاگ پڑا ہو۔

"یہ بات ـــ یہ خیال کیوں آیا مجھے ـــ؟"

اُس نے اپنے دل کی ایک نامعلوم سی خلش کو دبانے کی کوشش کی لیکن یہ خلش تو نہ دبی۔ البتہ اُس کے دل میں ایک عجیب و غریب قسم کا طوفان ضرور اُٹھنے لگا۔

اور وہ جو کہ اس قسم کے طوفان سے ابھی تک ناواقف تھا بوکھلا گیا۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے کہ کوئی ہولے ہولے اُس کے دل میں چٹکیاں لے رہا ہو۔ جیسے کہ کوئی ایک، درد کی اور کسک کی لہر ہو جو اُس کے دل میں اُٹھ رہی ہو۔ مسلسل اُٹھتے جا رہی ہو۔

جیسے کہ بجلی کا ایک جھٹکا ہو۔ معمولی سا، ہلکا اور خفیف جو رُک رُک

کر اُسے لگایا جا رہا ہو۔

"یہ بات کیا ہوئی"۔

اُس نے سوچا۔

"آخر ایسی کون سی بات ہوئی ہے اُسکی زندگی میں جو ــــ"

اور پھر اُسی لمحے اُس کے ذہن میں نینا دیدی کا خیال آیا۔ اور اُس کا بے اختیار جی چاہا کہ اگر یہ نینا دیدی اُسے مل جائیں قسمت سے تو وہ انہیں بغیر کچھ کہے سُنے اپنے سینے کے اندر جذب کر لے۔

نینا ــــ ! نینا دیدی ــ!!"

وہ اپنی ہی سوچوں میں ڈوب گیا۔

"لیکن میں تو انہیں جانتا تک نہیں ہوں۔ میں نے تو کبھی آج تک۔ انہیں دیکھا بھی نہیں ہے۔ اُن کی ایک جھلک بھی نہیں"۔

وہ سوچ رہا تھا۔

"پھر ان کی تمنا ــ ان کا یہ رہ رہ کر خیال ــ!! آخر یہ بات کیا ہے۔؟"

اُس نے گھبرا کر اور پریشان ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اور اب وہ اپنا سر اپنے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں کئے سرنگوں بیٹھا تھا۔

فلسفہ میں فرسٹ کلاس ایم۔ اے کرنیوالے اور فلسفہ کی موٹی موٹی کتابیں چاٹ جانے والے کی سمجھ میں اپنی زندگی کا یہ فلسفہ کسی پہلو سے بھی نہیں آ رہا تھا۔

دل توڑنے والے مجھے دل ڈھونڈ رہا ہے
آ داغ دو ہم کون سی نگری میں ہیں

یہ شانت اُس رات کو اپنے بستر پر نہیں لیٹا تھا۔ اُس نے اپنا وہ صاف

ستھرا اور خوبصورت طریقہ پر سجایا جانے والا بستر یونہی چھوڑ دیا تھا۔

وہ ایک دری بچھا کر اپنے پلنگ کے پاس ہی فرش پر لیٹا تھا اور پھر مسلسل کئی راتوں تک وہ یہی کرتا رہا بستر اور پلنگ چھوڑ کر وہ فرش پر لیٹتا رہا۔

اور پھر ایک رات اُس نے اپنے اس بستر پر جسے نینا دیدی نے سجایا تھا۔ موگرے کے بہت سے مہکتے ہوئے پھول لا کر رکھ دیئے جیسے کہ وہ اس بستر کی پوجا کر رہا ہو۔ مہکتے ہوئے پھول ایک حسین ڈھیر کی صورت میں بستر کے بیچ و بیچ رکھے رہے۔

اور وہ رات گئے تک پلنگ کے پاس ہی دری پر بیٹھا ہوا اس بستر اور ان پھولوں کو تکتا رہا، تکتا رہا۔ نہ جانے کیوں اور کس لئے۔

اور پھر رات گئے وہ اُسی دری پر ڈھیر ہو گیا اور سو گیا۔

اور پھر یہ اُس کا معمول ہو گیا۔ بستر پر نہ سونا۔ موگرے، گلاب اور کنول کے تازہ پھولوں سے اُسے سجانا۔ اور رات گئے تک اُسے تکتے رہنا اور پھر اُسی جگہ دری پر سو جانا۔

اُس نے کمرے کی ہر چیز اسی طرح رہنے دی تھی جس طرح کہ نینا اُسے سجا کر گئی تھی۔

وہ کھانا بھی اب باہر ہی کھاتا تھا۔ تاکہ نینا کے سجائے، بنائے اور صاف کیئے ہوئے برتن خراب نہ ہو جائیں۔

وہ نینا کی سنواری، بنائی اور سجائی ہوئی ہر چیز کی پوجا کرنے لگا تھا۔ اور اُسے یہ خود نہیں معلوم تھا کہ وہ یہ سب کیوں اور کس جذبے کے تحت کر رہا ہے۔

وہ انجام، نتیجے اور ماحول سے بے نیاز اور بے خبر ہو کر یہ سب کچھ کرتا چلا گیا۔ اور وہ یہ سب کچھ اسی طرح کرتا رہا۔

اور نینا کو اس کی مطلق کوئی خبر، اتنے دنوں تک نہ ہو سکی۔

اور پھر ایک دن وہ چونکا۔
اُس کا وہ تھیسس، جسے وہ جلد سے جلد تیار کر لینا چاہتا تھا۔ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ اُسنے اتنے دنوں میں کچھ کام ہی نہیں کیا تھا۔
اُس کی راتیں اب لکھنے، ریسرچ کرنے اور کام کرنے کی بجائے نینا کے تصور اور اُس کے سنوارے ہوئے بستر کی پوجا میں گذرنے لگی تھیں۔
آخر ایکدن اُسنے کام کرنے کی ٹھانی۔ وہ بغیر کچھ کھائے پئے ایک دن، ایک پوری رات اور پھر دوسرے دن کے ایک بجے دن تک کام کرتا رہا۔
اور پھر وہ ایک بجے کے بعد کمرے سے باہر نکل کر باہر چلا گیا۔ بستر کے علاوہ اس کمرے کی ہر چیز بے ترتیب ہو چکی تھی۔
اور یہ اُس دن کے بعد کا آٹھواں دن تھا۔
نینا پہلے کی طرح اُس کے کمرے میں پھر آئی۔
اُسنے اس کمرے کو بغور دیکھا۔
اُس کے ترتیب دیئے ہوئے اور سنوارے ہوئے بستر کی ہر چیز جیوں کی تیوں تھی۔ اُسکی بچھائی ہوئی چادر پر ایک ہلکی سی شکن بھی نہیں تھی۔ البتہ فرق صرف اتنا تھا کہ اس پلنگ کے پاس ایک دری بچھی ہوئی تھی۔ جو اُٹھنے بیٹھنے اور لیٹنے سونے کی وجہ سے اِدھر اُدھر سے اُلٹ گئی تھی۔ اُس پر موٹی موٹی شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔
اور بستر پر بیچ و بیچ مُرجھائے ہوئے، باسی پھولوں کا ایک ڈھیر تھا۔ اور

بہت سے سوکھے اور مرجھائے ہوئے پھولوں کا ایک بڑا سا ڈھیر کمرے کے ایک کونے میں لگا ہوا تھا۔

دری پر کاغذات بکھرے پڑے تھے۔ کتابیں بکھری پڑی تھیں اور قلم پڑا ہوا تھا۔ اور میز پر کی چیزوں کی ترتیب بگڑ گئی تھی۔ البتہ وہ تصویر جو پرشانت کی اپنی تصویر تھی۔ اسی جگہ دیوار کے سہارے میز پر رکھی ہوئی جس جگہ کہ وہ اسے رکھ کر اس دن گئی تھی۔

اسنے یہ ساری چیزیں غور سے دیکھیں۔ اور پھر وہ دوسرے کمرے میں آگئی۔ اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس کمرے کی ہر وہ چیز جو کہ وہ اس روز جس جگہ رکھ کر اور سجا کر گئی تھی۔ اسی طرح رکھی ہوئی تھی۔

ہر چیز اپنی جگہ پر تھی۔ بالکل ہاتھ نہیں لگایا گیا تھا ان چیزوں کو۔ البتہ ان چیزوں پر ہلکی ہلکی گرد ضرور جم گئی تھی۔ جو شائد اس لئے نہیں جھاڑی گئی تھی کہ کہیں ان چیزوں کے رکھنے کا یہ حسن اور ان کا یہ سلیقہ غارت نہ ہو جائے۔ اسے جھاڑنے اور صاف کرنے سے۔

وہ جیسے کہ سہم گئی۔ وہ اپنی جگہ بت بنکر رہ گئی تھی۔

"ہائے رام — !"

اسنے دل ہی دل میں سوچا۔

"انہوں نے تو ان چیزوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔"

وہ سوچ میں ڈوب گئی —

"پھر کھانا پینا — چائے، ناشتہ — !"

اور پھر وہ الٹے پاؤں سونے والے کمرے میں آگئی۔

وہ بت بنکر پلنگ کے پاس کھڑی ہو گئی۔ وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

"پلنگ پر یہ پھول ۔۔!"

اُس نے سوچنا شروع کردیا۔

"یہ موگرے، گلاب اور کنول کے پھول ۔۔!"

"اور پھر کمرے کے اس کونے میں یہ اُتارے ہوئے پھولوں کا ڈھیر ۔!"

"یہ پلنگ پر اُس روز سے نہ سونا ۔!"

"یہ کمرے میں دھوپ کی خوشبو" !

"یہ جلی ہوئی دھوپ کی راکھ کا ڈھیر ۔!"

" اور ۔۔۔ اور ۔۔۔ اور ۔۔۔"

اور وہ گڑبڑا گئی ۔ اُس نے گھبرا کر پرشانت کی تصویر کو دیکھا۔ وہ دیوانہ وار تصویر کے قریب تک آئی ۔ اُس نے تصویر ہاتھ میں لے لی۔

اور پھر نہ جانے کس خیال سے چونک کر اُس نے بڑے سہمے اور گھبرائے ہوئے انداز میں تصویر میز پر رکھدی ۔ وہ تیز تیز قدموں سے چل کر آئی اور اندر سے کمرے کی چٹخنی اُس نے لگادی۔

نہ جانے کیوں اُس کا سانس پھولا جا رہا تھا۔ نہ جانے اُس نے کون سی محنت کی تھی اور کون سا بھار اُس نے اٹھایا تھا ۔ وہ میز کے قریب پھر آئی ۔

اُسکی پیشانی پر اُسکی ناک پر اور اُس کے اوپر کے ہونٹ کے اوپری حصہ پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں تھرتھرا رہی تھیں ۔ وہ ہولے ہولے لرز رہی تھی۔

اُس نے پرشانت کی تصویر پھر اُٹھائی ۔

وہ اُسے بغور دیکھ رہی تھی۔

وہ اُسے، اسی طرح ، بغور دیکھتی رہی۔

اُسکی آنکھوں میں نمی پیدا ہوئی ۔ اور پھر اُسکی آنکھوں میں آنسو اُمڈ پڑے ۔

"تم —!"

اُس کے لب کُھلے۔

"تم —— !" اُس کے ہونٹ لرزنے لگے۔ وہ بُدبُدا رہی تھی: "تم نے آخر یہ کیا کیا —؟"

وہ ایک ذرا سا رُکی۔ اُس کا سر ذرا سا نیچے جُھکا۔ آنسو اُس کے رخساروں پر ڈھلکنے لگے۔ وہ بھنچی بھنچی اور گھٹی گھٹی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"آخر میرا وہم سچ ہو ہی گیا۔ میرا دل بار بار جس بات کی پیشین گوئی کر رہا تھا وہ صحیح ثابت ہوئی۔"

اُس نے بے چین ہو کر پرشانت کی تصویر کو دیکھا۔

"کاش ہم تمہاری یہ تصویر نہ دیکھتے"۔ وہ بُدبُدائی۔ "ہم نے تو تمہاری یہ تصویر دیکھ لی تھی۔ اور تم ہماری سیوا دیکھ کر ہی —"

اُس نے ساڑھی کا آنچل اپنے منہ میں ٹھونس لیا۔

وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔

"ہم نے تمہاری چیزیں سجائی تھیں۔ تمہاری تصویر دیکھ کر اور تمہارے تصور میں کھو کر۔ اور تم نے۔ یعنی کہ تم ہماری لگن کو بھانپ کر ہی ہماری اس دُھن کی پوجا کرنے لگے۔"

اُس کے دل نے چیخ کر کہا۔

"بھگوان کے لئے — تم ہمارا خیال چھوڑ دو۔ اپنی اچھی بھلی زندگی ہمارے لئے اکارت نہ کرو۔"

آنسو اُسکی آنکھوں سے لگاتار بہنے لگے۔ وہ یکبارگی چیخی۔

"میں ودھوا ہوں۔"

اور پھر اُسنے گھبرا کر کمرے کے بند دروازے اور اُسکی بند کھڑکیوں کی طرف دیکھا ۔

اُسنے اپنے ہونٹ بھینچ لئے ۔

" میں ودھوا ہوں پرشانت ــ "

اور قبل اس کے کہ پرشانت کا نام اُس کے منہ سے نکلے اُسنے اپنا منہ اپنے ہاتھ سے زور سے دبایا ۔ اُس کے دل نے چیخ کر کہا ۔

" پگلی ــ ! تو اتنا بھی نہیں سمجھتی کہ ہندو لڑکیاں اپنے پتی کا نام نہیں "

اور اُسنے بوکھلا کر اپنے گال پر ایک طمانچہ مارا ۔

" یہ کیا ہو گیا ہے تجھے " وہ گھٹی اور کھنچی ہوئی آواز میں جیسے کہ چیخ پڑی ۔

وہ زور سے تڑپی ۔

" یہ کیا بکتی ہے تو ــ تو کیا یہ بات بھول گئی ہے کہ تو ودھوا ہے "

" تو کیا ہوا " اُسکے دل نے پکارا ۔ " کیا ودھوا استری کا دوسرا وواہ نہیں ہو سکتا "

" نہیں ، نہیں "

وہ ساری جان سے پسینے میں ڈوب گئی ۔

" ودھوا استری کا دوسرا وواہ پاپ ہے "

اُسنے ہولے سے کہا ۔

" میری یہ سوچ اور میرا یہ خیال بھی پاپ ہے "

اور پھر اُسنے پرشانت کی تصویر پر نظریں جما دیں ۔

" میں نہ جانے کیوں اور کس طرح ــ "

وہ اپنے تصور میں پرشانت سے کہہ رہی تھی ۔

"میں تم سے پریم کرنے لگی ہوں پرشانت بابو۔"

وہ اپنے تصورات میں پرشانت سے اپنے دل کے بھید کھولتی چلی گئی۔

"میں آج آٹھ دن سے انگاروں پر لوٹ رہی ہوں۔ سُکھ کی نیند ان آٹھ دنوں میں کسی رات بھی مجھے نہیں آئی۔"

"بھگوان جانتا ہے کہ میں نے تمہیں خود سے جاننے، ملنے یا چاہنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے تو تمہاری اس تصویر کے علاوہ تمہیں دیکھا بھی نہیں ہے۔ ایک ہی جگہ رہ کر بھی میں نے تمہیں اپنے دل کی اس لگن کے باوجود نہیں دیکھا۔ حالانکہ جب میں چاہتی، میں تمہیں دیکھ سکتی تھی۔ لیکن میں نے کسی غیر مرد کو چھپ کر دیکھنے کا یہ پاپ بھی نہیں کیا۔"

وہ تڑپ گئی۔ بیقرار ہو کر اُس نے دل ہی دل میں کہا۔

"لیکن میں کیا کروں کہ یہ مجھے خود نہیں معلوم کہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔ میں تو ایسی کبھی نہیں تھی۔ میں نے بھگوان کی دیا سے جوانی کی بھرتی، چیختی، چنگھاڑتی اور بل کھاتی ہوئی ندیا بھی پار کر لی ہے۔ اور میں کسی جگہ بھی دلدل میں پھنس کر نہیں ڈوبی۔ لیکن اب جبکہ جوانی کی وہ بھرپور چڑھتی ندی بھی عمر کے ساتھ اُتر گئی ہے۔ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے آخر۔"

اُس نے پرشانت کی تصویر کو غور سے دیکھا۔ وہ پرشانت کی تصویر کو نفرت اور حقارت سے دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ ایسا کوشش کرنے کے باوجود نہ کر سکی۔ اُس کی نظروں میں پیار اور محبت کی جو کرن تھی وہ نفرت میں نہ بدل سکی۔ اور وہ جیسے کہ دم گھٹنے والے انداز میں چیخی۔

"پرشانت ——!"

اُس کا غصہ شکست خوردگی میں بدل گیا۔ دل ہی دل میں وہ مدھم سُروں

میں کہہ رہی تھی۔

" مجھ جیسی محتاط اور بہت زیادہ ہی با اصول، خشک اور گمبھیر ہستی کو تم نے کس موڑ پر لاکر چھوڑ دیا ہے پرشانت "

وہ بے اختیار رو پڑی۔

" اب میں کیا کروں بھگوان۔!"

اس کے منہ سے نکلا۔ اور پرشانت کی تصویر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔ اس نے چونک کر بند دروازے کی طرف دیکھا۔ لپک کر اس نے دروازہ کھول دیا۔

اور اب وہ پرشانت کی تصویر کے ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑوں کو چُن رہی تھی۔ اور پھر۔۔

" گووندنی ۔۔"

اس نے آواز دی۔ اور جب، گووندنی آگئی تو اس نے ایک عزم کے ساتھ، اپنی گردن کو ایک ذرا سا خم دیکر بارعب طریقہ پر کہا۔

" شیشے کے ان ٹکڑوں کو کوٹھی کے باہر پھینک آؤ "

" جی ۔۔"

اور ابھی گووندنی شیشے کے اُن ٹکڑوں کو باہر پھینکنے جا ہی رہی تھی کہ اس نے کہا۔

" ٹھہرو ۔۔"

گووندنی رُک گئی۔ نینا نے باسی اور سوکھے ہوئے پھولوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

" اور ان پھولوں کو بھی ۔۔"

"جی ـــ!" گووندنی رُکتے ہوئے بولی "انہیں بھی باہر سڑک پر پھینکدوں نیناد یدی"؟

"ہاں"

"لیکن ـــ" وہ رُکتے ہوئے بولی "یہ پوجا کے پھول"

اور وہ جیسے کہ تلملا کر چیخ پڑی۔ جیسے کہ گووندنی نے اُسکے جگر میں ایک زور کی چٹکی لے لی ہو۔

"بکو مت تم ـــ میں جو کہتی ہوں ـ وہ کرو تم"

وہ جیسے کہ روئے دے رہی ہو۔

"اور ساتھ ہی ان پھولوں کو بھی لیتی جاؤ تم"

وہ جیسے کہ پاگل ہوئی ہو۔ اُسنے آگے بڑھ کر ایک جھٹکے کے ساتھ پلنگ پر بچھی ہوئی یہ بغیر شکنوں والی چادر کھینچ لی۔

اور وہ پھول جو کہ چادر کے بیچ و بیچ بڑے خوشنما طریقہ پر سجے ہوئے تھے۔ کمرے کے فرش پر اِدھر اُدھر دور تک بکھر گئے۔

اور چادر اُسنے ایک ڈھیر کی شکل میں اُسی پلنگ پر ڈالدی۔ اور تکیے جو کہ اِدھر اُدھر پلنگ سے نیچے گر پڑے تھے۔ وہ اُسنے اسی طرح پڑے رہنے دیئے۔

"نیناد یدی ـــ!"

گووندنی نے پھولوں کے اس ڈھیر کو سمیٹتے ہوئے اُسکی طرف حیرت اور تعجب کی نگاہوں سے دیکھا۔ اور وہ نتھنے پھُلا کر، اپنے آپ پر پورا پورا قابو حاصل کرنے کی کوشش کے درمیان بولی۔

"منہ کیا دیکھ رہی ہو میرا۔ جلدی کر اور یہ سارے پھول سڑک کے کنارے

والے کوڑے کے ڈرام میں پھینک آ جا کر۔"

گووندنی ڈر کر اور سہم کر، جلدی جلدی پھولوں کے اس ڈھیر کو اپنی دھوتی میں بھرنے لگی۔ اب وہ اپنی مالکن کی طرف دیکھنے کی بھی جرأت نہیں کر رہی تھی۔ اس لئے کہ اسکی مالکن کی آنکھیں انگارے کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ اور گووندنی کی سمجھ سے یہ بات بہت آگے تھی کہ اسکی مالکن، اسکی ان نینا دیدی کی آنکھوں کی یہ سرخی، نفرت، غصے اور حقارت کی وجہ سے ہے یا رنج، غم، ملال اور بہت زیادہ صدمہ کے باعث سے ان کی یہ آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔

وہ جلدی جلدی ان پھولوں کو سمیٹ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اور نینا، جو کہ اب اپنے ہونٹ چبا رہی تھی۔ میز کے قریب آئی۔

اسنے پرشانت کی تصویر بڑی آہستگی کے ساتھ، دیوار سے لگا کر میز پر رکھ دی۔ اور پھر وہ اس طرف سے بڑی تکلیف کے ساتھ اپنا منہ پھیر کر بڑی تیزی کے ساتھ اس کمرے سے باہر نکل گئی۔

پرشانت کے منہ سے ایک دلخراش چیخ نکلنے جا رہی تھی کہ اسنے گھبرا کر اپنا منہ اپنے دونوں ہاتھوں سے دبا لیا۔

وہ اپنے جگر سے ابھرنے والی اپنی دلخراش اور اندوہناک چیخ کا گلا گھونٹنے میں تو کامیاب ہو گیا۔ لیکن اپنے دل کے مچلتے، امڈتے اور تڑپتے ہوئے آنسوؤں کے سیلاب کو وہ نہ روک سکا۔

اور آنسو ایک دھار کی شکل میں اس کی افسردہ اور غمگین آنکھوں سے بہنے لگے۔ اسکی آنکھوں نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی جو نظارہ دیکھا تھا، وہ

اس کے لئے انتہائی اذیت ناک اور اُسکی روح تک کو زخمی کر دینے والا تھا۔
اس کے ہاتھ سے پوجا کے آج کے لائے ہوئے سارے پھول فرش پر گرے اور بکھر گئے۔ پھول ایک ایک الگ ہو کر بکھر گئے تھے اور پھولوں کی لڑی لڑھک کر، لڑھکتی ہوئی۔ دور تک چلی گئی تھی۔ اور دوسرے کمرے کے دروازے سے ٹکرا کر اوندھی ہو گئی تھی۔
وہ اپنا دل پکڑ کر اور اپنا کلیجہ مسوس کر اُسی جگہ بیٹھ گیا۔
"اتنا زیادہ غصہ" وہ بڑبڑایا" اتنا کرودھ۔ اتنی بڑی خفگی"
اُس کے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے نکلا۔
"کسی دیوی نے اپنے عقیدت مند پجاری کے ساتھ اتنا بُرا سلوک کبھی نہ کیا ہو گا"
وہ ایک کراہ کے ساتھ بڑبڑایا۔
"پوجا کا حق تو پجاری کا ہوتا ہے اور دیوی دیوتا پجاری سے اس کا یہ حق، اس کا یہ ادھیکار کبھی نہیں چھینتے اُس سے"
کچھ دیر تک اسی طرح وہ اپنا دل تھامے بیٹھا رہا۔ پھر وہ ایک دلدوز کراہ کے ساتھ اُٹھا۔ اُسنے وہ سارے بکھر جانے والے پھول چن لئے۔ اور اُن چُنے ہوئے پھولوں کو اُسنے اپنے آنسوؤں سے دھو ڈالنے کے بعد انہیں بڑی محبت اور عقیدت کے ساتھ پلنگ پر ڈھیر کی شکل میں پڑی ہوئی چادر پر رکھا۔
اور پھر وہ اپنی دری پر بیٹھ کر اس چادر کو بڑی عقیدت اور بڑی محبت سے پہلے کی طرح تکنے لگا۔
اُسکی آنکھوں کے تمام آنسو اب خشک ہو چکے تھے۔ اور وہ اپنی جگہ

پر بیٹھا ہوا رات گئے تک اسی طرح اس چادر کو تکتا رہا۔
وہ بڑبڑایا۔

" تعمیر بھی اسی کی تھی اور یہ تخریب بھی اسی کی ہے۔ اس کی تعمیر اور اس کی تخریب، دونوں ہی مجھے عزیز اور پیاری ہیں۔"

اور پھر اسنے پوچھا۔

وہ چڑیا بھی تو چڑے کو نوچ رہی تھی اور مار رہی تھی۔ یہ ناز والوں کا ناز ہے۔ یہ ان کا انداز ہے جو وہ اپنے ناز برداروں پر کیا کرتے ہیں۔ اور انہیں دکھاتے ہیں"

وہ اپنے لئے ایک پیکٹ میں کھانے کے لئے پوریاں لایا تھا۔ جو اس نے نہیں کھائیں۔ در اصل اسے کھانے کا دھیان ہی نہیں آیا تھا۔ اس کی بھوک، پیاس، اس کی ہر خواہش مر گئی تھی۔

وہ رات گئے تک اسی طرح جاگتا رہا۔ اور ویسے اسی طرح جاگ کر یہ ساری رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی۔

اور ادھر نینا بھی رات بھر جاگا کی۔ اس کی زندگی کی یہ پہلی رات تھی۔ جس رات وہ رات بھر نہیں سو سکی۔ وہ گم سم اور اداس اداس، روئی روئی سی رات بھر بیٹھی رہی۔

یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور مندروں کے سوئے ہوئے گھنٹے
یکدم سے جاگ پڑے ۔ اور وہ یکدم سے چونکی ۔

"ہے بھگوان ۔۔!"

اُس کے ہونٹوں سے نکلا ۔

"یہ کیا ہو گیا ہے مجھے ۔۔؟"

اور وہ بے تحاشا، پھوٹ پھوٹ کر، ہچکیوں سے
رونے لگی ۔

~~بیوقوف لڑکی ۔ اتنی جلدی ڈر گئی~~

بقول شاعر

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا ۔

محبت ایسی دھڑکن ہے جو سمجھائی نہیں جاتی
زباں پر دل کی بے چینی کبھی لائی نہیں جاتی۔

آشوک بابو یکبارگی چونک پڑے۔ انہوں نے بڑی بےچینی سے رامو سے پوچھا۔

"کیا بات ہے رامو! پرشانت جی کہاں ہیں۔ ؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"دو دن سے وہ نظر نہیں آئے"

"شائد اپنے کمرے میں ہوں مالک۔" رامو نے جواب دیا۔ "میں نے انہیں کل سویرے تو دیکھا تھا۔ بیمار بیمار سے دکھائی پڑ رہے تھے۔ چپ چاپ۔ لان پر بیٹھے ہوئے تھے سرکار"

"ارے ——!"

آشوک بابو نے بے چین ہوتے ہوئے کہا۔

"عجیب قسم کے گدھے ہو تم رامو۔ کہ بیمار بیمار دکھائی دے رہے

بھئے پرشانت بابو، اور تم اب پوچھنے پر ہمیں یہ بات بتا رہے ہو۔ تم نے ہم سے ذکر کیوں نہیں کیا۔؟"

اور پھر انہوں نے پوچھا۔

"تم نے خود اُن سے پوچھا تھا کہ کیا بات ہے۔؟"

"نہیں تو سرکار ـــ!"

"پاگل ـــ!" وہ جھنجلا گئے "گدھے ہیں کے ـــ"

اور پھر وہ اُسی لمحے پرشانت کے کمرے کی طرف لپکے۔

"پرشانت بابو ـــ!"

انہوں نے کمرے کے سامنے کھڑے ہو کر پرشانت کو آواز دی۔

"پرشانت جی ـــ!

انہوں نے دوسری آواز کے ساتھ ہی ساتھ دروازے پر دستک بھی دی۔ لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔

"پرشانت جی ـــ!

اُن کی آواز میں گھبراہٹ اور بے چینی تھی۔ انہوں نے کمرے کے دروازے کو ایک ذرا سا دھکا دیا۔ اور وہ دروازہ جو کہ اندر سے بند نہیں تھا۔ کھل گیا۔

اور وہ ایک اور آواز کے ساتھ ہی اندر آ گئے۔ اُن کے پیچھے پیچھے رامو بھی تھا۔

"ارے ـــ!

اُن کے منہ سے نکلا۔ انہوں نے دیکھا کہ پرشانت شرد سے ہوا خولی دری پر پڑا ہے۔ وہ لپک کر اُس کے قریب آئے۔ پر اور وہ بعد

پڑا تھا۔ وہ اسی جگہ فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔

انہوں نے پرشانت کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

"ارے ---! وہ بیتاب ہو گئے۔ انہوں نے رامو سے کہا۔" انہیں تو بہت تیز بخار ہے"

وہ پُر اضطراب ہو کر بولے۔

"یہ تو بے ہوش ہیں شاید"

اور پھر انہوں نے پاس ہی بچھے ہوئے پلنگ کو دیکھا۔

"ارے ---! یہ کیا۔ پلنگ پر اجڑا ہوا بستر۔ یہ چادر کا ڈھیر۔ اور اس چادر کے ڈھیر پر یہ پوجا کے پھول ---!"

وہ حیران اور انتہائی متعجب تھے۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ بات کیا ہوئی آخر۔؟ خود پلنگ چھوڑ کر ایک دری پر پڑے ہیں۔ پرشانت بابو۔ اور اس پلنگ کو مندر بنا رکھا ہے انہوں نے ---!"

وہ حیرت زدہ تھے۔

"عجیب بات ہے"

انہوں نے رامو سے کہا۔

"انہیں اٹھا کر پلنگ پر لٹاؤ"

اور وہ خود پلنگ پر ٹھیک سے بستر کرنے جا ہی رہے تھے کہ وہ یکبارگی ٹھٹھک گئے۔ انہوں نے رامو سے کہا۔

"اس بستر کو ہاتھ لگاؤں کہ نہیں ---؟"

وہ سوچ رہے تھے۔

"کیا پتہ یہ بات پرشانت جی کو بری لگے۔ پلنگ اور بستر کی یہ کیفیت

اُن کا کوئی بہت بڑا راز نہ ہو۔ نہ معلوم انہوں نے اسکی یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے۔ یہ بے ترتیب بستر۔ بیچ پلنگ کے یہ ڈھیر کی صورت رکھی ہوئی چادر۔ اور پھر چادر پر پوجا کے پھول۔ یہ ادھر اُدھر فرش پر پڑے ہوئے یہ دونوں تکیئے۔ اور اُن کا خود پلنگ کو چھوڑ کر فرش پر لیٹنا۔"

اور پھر انہوں نے رامو سے کہا۔

"نہیں، نہیں۔ ان چیزوں کی اس ترتیب کو بگاڑنے کا ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا۔ نہ جانے اس میں کیا راز ہو۔ تم جلدی سے جا کر دوسرا پلنگ لے آؤ اور ساتھ ہی بستر بھی۔"

انہوں نے رامو سے کہا۔

"جاؤ۔ جلدی کرو۔"

اور پھر اُسی لمحے رامو دوسرا پلنگ اور بستر لے کر آ گیا۔ اور وہ جو کہ اُسی جگہ پرشانت کے پاس فرش پر اکڑوں بیٹھے اُسے تک رہے تھے اُٹھے۔

اور پلنگ بچھانے میں رامو کی مدد کرنے لگے۔ اور پھر بستر لگا کر انہوں نے اور رامو نے مل کر پرشانت کو اُٹھایا۔ اور بستر پر لٹا دیا۔

"تم اُن کے پاس رہو رامو"

وہ کمرے کے باہر جاتے ہوئے بیتابی سے بولے۔

"میں ابھی فون کر کے ڈاکٹر کو بلواتا ہوں"

اور پھر وہ حویلی کے اندر بڑی گھبراہٹ اور بیحد اضطراب کے عالم میں داخل ہوئے۔

"کیا بات ہے بنّا جی ۔۔؟"

اُن کی اس بوکھلاہٹ کو دیکھ کر نیلا نے پوچھا۔ اور وہ نینا کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیکر فون کی طرف لپکے۔

"ہلو۔۔!" وہ ریسور اُٹھائے بڑی ہی بے تابی سے کہہ رہے تھے، کون ڈاکٹر صمد۔۔ دیکھئے میں رائے صاحب آشوک بابو بول رہا ہوں۔ آپ ڈاکٹر صاحب سے کہئے کہ وہ فوراً سے پیشتر اسی لمحے میری کوٹھی پر آجائیں۔ یہاں حالت سخت خراب ہے۔ تیز بخار کے ساتھ ہی ساتھ غفلت اور بیہوشی بھی ہے۔ ہاں، ہاں۔ بھئی میں آشوک بول رہا ہوں۔ رائے صاحب۔ ڈاکٹر صمد صاحب کو فوراً بھیجو۔ موت اور زندگی کا معاملہ ہے۔ ہاں۔۔ جلدی۔۔"

اور وہ ریسور پٹک کر پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگے۔

"کیا بات ہے بنّا جی ۔۔؟" نیلا نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔ "کون بیمار ہے۔۔؟"

"کوٹھی میں کس کی حالت خراب ہے ڈیڈی۔۔" ارون کمار نے پوچھا۔ "آپ ڈاکٹر صمد کو کس کے لئے فون کر رہے تھے۔۔؟"

"پرشانت بابو کی حالت بہت خراب ہے۔" آشوک بابو نے بیحد پریشان ہوتے ہوئے کہا۔ "وہ نہ جانے کب سے بیہوش ہیں۔ اور اُن کا سارا جسم آگ کی طرح گرم ہو رہا ہے۔"

اور یہ سنتے ہی نینا کے حواس غائب ہو گئے۔ وہ ہوش سے بیگانہ ہو کر جیسے کہ چیخ پڑی۔

"کیا ہوا انہیں بنّا جی۔۔؟"

"کیا معلوم بیٹی"

اور پھر انہوں نے ساری تفصیل بتائی۔ پوری کیفیت بیان کرنے کے بعد بولے۔

"یہ پرشانت جی تو ایک راز ہیں بیٹی۔ نہ جانے کب سے بیمار رہیں۔ خود دری بچھا کر فرش پر پڑے ہیں اور پلنگ کو مندر بنا رکھا ہے انہوں نے۔ اُلٹی پلٹی چادر پر پوجا کے پھول چڑھے ہوئے ہیں۔ تکئے جو فرش پر پڑے ہیں وہ اُسی طرح پڑے ہیں۔ انہیں اٹھایا تک نہیں"

وہ ملال کے ساتھ بولے۔

"اتنے بیمار ہوئے اور ہم میں سے کسی کو خبر تک نہیں دی۔ وہ تو اتفاق ہوا کہ یکبارگی صبح صبح مجھے اُن کا خیال آگیا۔ اور میں اُن کے کمرے پہلی ہی دفعہ پہونچ گیا۔ ورنہ وہ نہ جانے اسی طرح کب تک بیہوش پڑے بخار میں پھنکتے رہتے۔ اور پھر ایشور نہ کرے اسی حالت میں پڑے پڑے مر۔۔۔"

"بتا جی۔۔۔!"

اشوک بابو کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی نینا بےچین ہو کر بول پڑی۔

"اب جا کر دیکھئے تو سہی کہ اُن کی کیا حالت ہے"

"بڑے اچھے ہیں یہ پرشانت بابو" ارون کمار بولا "ابھی دو ہی ہفتے سے انہوں نے مجھے پڑھانا شروع کیا ہے اور مجھے یہ یقین ہو چلا ہے کہ میں اس دفعہ بی اے فرسٹ کلاس میں پاس کر لوں گا۔ اتنے قابل ہیں وہ بتا جی کہ میں کیا بتاؤں آپ سے"

"کبھی تم اُن کے کمرے میں گئے ہو ارون۔؟"

"نہیں پتاجی۔"

"آؤ میرے ساتھ" آشوک بابو نے کہا "اور سوچو کہ اس پلنگ، اس چادر کے ڈھیر اور اس پوجا کا آخر مطلب کیا ہے۔"

آشوک بابو نے اُلجھتے ہوئے کہا۔

"میں تو سمجھتا ہوں کہ پاگل ہوگئے ہیں شائد"

"کھوئے کھوئے تو وہ رہتے ہیں ڈیڈی" ارون بولا "نہ جانے اُن کی آنکھوں سے وحشت کیوں ٹپکنے لگی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ اب رو دینگے۔ آج کئی دنوں سے وہ یکدم سے بڑا اضطراب اور بیچین دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے پہلے اُن کی یہ حالت نہیں تھی"

نینا جو کہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ اپنے آپکو سنبھالنے کی کوشش میں دم بخود کھڑی یہ سب سُن رہی تھی کہ دادی ماں جو کہ مالا پھیر رہی تھیں۔ یکدم سے مالا پھیراتے پھیراتے بولیں۔

"یہ اتھاہ پریم ہے ارون۔ وہ ضرور کسی سے پریم کرنے لگا ہے"

اور دادی ماں کے منہ سے یہ سنتے ہی نینا کو ایسا محسوس ہوا جیسے کہ اُسکی دادی ماں نے اُس کے سر سے اُس کے راز کی چادر یکدم سے اُتار پھینکی ہو۔ وہ یکدم سے بوکھلا گئی۔

وہ اس ڈر سے کہ کہیں اُس کا راز نہ فاش ہو جائے۔ ابھی یہاں سے کھسکنے ہی والی تھی کہ دادی ماں کی آواز گرم گرم لاوے کی طرح اُس کے کانوں میں اُنڈل گئی۔ وہ کہہ رہی تھیں۔

"اور اُس کے اُس پریم کو اوشیہ ٹھکرا دیا گیا ہے ارون جو کہ پوتر، واسنا سے دور اور سچا ہے۔ اور جبھی اُسکی یہ حالت ہوئی ہے۔"

وہ قدرے رُک کر بولیں۔

" اور اگر اُسکے اس پوتر پریم کو سہارا نہ ملا تو وہ اوشیہ مر جائے گا۔

یا پھر پاگل ہو جائے گا بیچارا "

اور یہ کہکر وہ پھر مالا پھرانے لگیں۔

" ہری اوم۔ ہری اوم تت ست "

وہ جلدی جلدی مالا پھرا رہی تھیں کہ ارون تمسخر کے طور پر بولا۔

" دادی ماں اتنی بوڑھی ہو کر بھی ایسی باتیں کرتی ہیں "

" ان کی باتوں میں وزن ہوتا ہے بیٹے " اشوک بابو بولے " ان کا

تجربہ بہت گمبھیر ہے "

اور نینا جو کہ پھوٹے پڑنے کو تھی۔ بڑی بے بسی کی حالت میں خود کو

سنبھالتی ہوئی وہاں سے کھسکی۔

اور اپنے کمرے میں آکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ بار بار اپنے

منہ میں اپنی ساڑھی کا آنچل ٹھونسنے لے رہی تھی

" بھگوان ۔۔۔ ! "

K. اُس کے منہ سے نکلا۔ وہ زخمی پرند کی مانند پھڑپھڑائی۔

" اب میں کیا کروں پربھو "

اُسنے اپنا منہ تکیوں میں چھپا لیا۔ وہ بستر میں گھس گئی۔

وہ روتے روتے بے حال ہوئی جا رہی تھی ۔۔۔ وہ بے اختیار پکار

اُٹھی۔

" اُنہیں کچھ نہ ہو بھگوان۔ اُن کے بدلے میں مجھے موت دیدو تم۔ یہ

میرے اوپر تمہارا اُپکار ہو گا "

"جس طرح ہوا انہیں کچھ نہ ہونا چاہیئے صمد صاحب"
آشوک بابو نے بے چین ہو کر ڈاکٹر صمد سے کہا۔

"اُن کی زندگی بڑی انمول ہے۔ یہ دنیا کے لئے اور خاص طور پر ہمارے ملک کے لئے بڑے اہم ہیں"

اور ڈاکٹر جو کہ پرشانت کو دو انجکشن دینے کے بعد اب تیسرا انجکشن دے رہا تھا بولا۔

"اس کے بعد اگر انہیں ہوش آگیا تو یہ بچ جائیں گے"

بینا بھگوان کرشن کی مورتی کے سامنے ہاتھ جوڑے دوزانو بیٹھی تھی۔ اُسکی آنکھیں بند تھیں۔ اُس نے دل کی تڑپ کے ساتھ کہا۔

"وہ جو کہ میرے لئے بیمار ہوئے ہیں انہیں بچا لیجئے۔ کسی داموں بھی سہی۔ میں تمہارا یہ اُپکار کبھی نہ بھولوں گی۔ کرشن کنہائی ۔۔۔ !"

وہ بے اختیار تڑپی۔ اُس نے کرشن کا نام روح کی تلملاہٹ کے ساتھ لیا۔

"اگر انہیں کچھ بھی ہوا، تو میں پاپ کر گذروں گی۔ میں آتم ہتیا کر لونگی میرے بھگوان"

اُسکے بھرے بھرے اور خوبصورت رُخساروں پر آنسوؤں کی دھارائیں بہہ رہی تھیں۔ اُسکی آنکھوں میں کرب، درد اور غم سمایا ہوا تھا اور گھنگور گھٹاؤں کو شرما دینے والے اُس کے بال کھلے ہوئے تھے۔ اُس کا چاند جیسا مکھڑا گہنا گیا تھا اور وہ کہہ رہی تھی۔

"میں نے اُن کا دل توڑا ہے - اور میں اپنے اس اپرادھ، اپنے اس دوش کی معافی تم سے مانگتی ہوں بھگوان"

اور پھر وہ بڑبڑائی۔

"اور میں یہ معافی اُن سے بھی مانگ لونگی - تم انہیں ایک نئی زندگی دیدو بھگوان - میری معافی کے لئے"

اور پھر اُسنے بھگوان کے سامنے اقبال جرم کر لیا - وہ اپنے ہونٹوں کو بھینچ کر بڑبڑائی۔

"یہ سچ ہے بھگوان --- یہ بات جھوٹ بالکل نہیں ہے"

اُسکی زبان پر تالے لگنے لگے - لیکن اُسنے ان تمام تالوں کو یکدم سے توڑ کر، اپنے بھگوان کے سامنے دل سے اعتراف کیا۔

"میرا من انہیں چاہنے لگا ہے"

آنسوؤں کا ایک تیز دھارا اُس کی آنکھوں سے پھوٹا - اور اُسنے تڑپ کر، تیز آواز کے ساتھ کہا۔

"میں اُن سے پریم کرنے لگی ہوں"

اور بھگوان کا نام اُسنے ہونٹوں کو بھینچکر لیا - وہ پھوٹ پڑی۔

"اب چاہے جو بھی ہو"

اُسنے اپنی آنکھیں یکدم سے کھولدیں - بھگوان کی مورتی کو تکتے ہوئے اپنے گالوں پر ہولے ہولے طمانچے لگاتے ہوئے درد کے ساتھ بولی۔

"اور اُس میں میرا قصور بالکل نہیں ہے - میں تم سے سچ کہتی ہوں - یہ نہ جانے کیسے ہو گیا"

اُسنے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے بھگوان کو دیکھا۔

"اس عمر میں آکر ۔۔۔ نہ جانے من کو کیا ہو گیا ہے میرے ۔"
اور پھر وہ بھگوان کے چرنوں میں اپنی پیشانی ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

پرشانت کا علاج ہو رہا تھا۔
"آج آپ کے انجکشنوں کا کورس پورا ہو گیا ہے مسٹر پرشانت ۔" ڈاکٹر صمد نے ایک اور انجکشن لگا چکنے کے بعد پرشانت سے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اب آپ خطرات سے بہت دور ہو چکے ہیں ۔"
"بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب ۔" پرشانت نے احسان میں ڈوبی ہوئی نظروں سے ڈاکٹر صمد کو دیکھا۔ "آپکی اس لگن اور آپکی اس کرم فرمائی کا بہت بہت شکریہ ۔"
"لیکن ابھی آپ خطرہ میں دوبارہ گھر سکتے ہیں ۔" ڈاکٹر صمد نے فہمائش کی۔
"دوا برابر اور وقت پر کھاتے رہیئے گا۔ ورنہ پھر اور زیادہ مشکل ہو جائیگی۔"
"یہ دوا وقت پر کیسے نہ کھائیں گے ڈاکٹر صاحب ۔" اشوک بابو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب یہ غیر نہیں رہے ۔ اور پھر میں ان سے عمر میں کافی بڑا ہوں۔ اگر انہوں نے ایک ذرا سی بھی لاپرواہی برتی تو میں انہیں ماروں گا نہیں ؟"
"آپ کی محبت آپکی اپنائیت اور آپکی حد سے بڑھی ہوئی نوازشوں نے تو مجھے خرید لیا ہے اشوک بابو ۔"
پرشانت کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"آپنے تو مجھے وہ پیار دیا ہے جو ایک ہمدرد کا پیار نہیں بلکہ باپ کا پیار ہوتا ہے۔ آپ نے ان دس دنوں میں وہ تڑپ دکھائی ہے میرے لئے اشوک بابو کہ مجھے اپنی لاوارثی اور یتیمی کا غم بھول گیا ہے۔"

"یہ بات میرے لئے باعثِ فخر ہے پرشانت جی کہ آپ مجھے اتنا بڑا درجہ دینے لگے ہیں۔"

آشوک بابو نے کہا۔

"میں ہی نہیں بلکہ میرا سارا گھر آپکو اپنا سمجھتا ہے۔ ہم سب آپکو اپنا سگا سمجھنے لگے ہیں۔"

"تو پھر یہ "آپ" کی ضد چھوڑ دیجیے آشوک بابو۔" پرشانت نے کہا۔ "آپ مجھے "تم" سے کہکر خطاب کیا کیجئے۔ اور پرشانت بابو کی جگہ آپ مجھے صرف پرشانت کہیئے۔"

"بیشک، بیشک۔"

آشوک بابو نے کہا۔ اور پھر انہوں نے ڈاکٹر صمد سے کہا۔

"آپنے ابتک مجھے اپنا بل نہیں بھجوایا ڈاکٹر صاحب۔؟"

"بل مجھے وصول ہو چکا ہے۔"

"کیا مطلب۔!"

آشوک بابو چونکے اور پرشانت ادھر ادھر نظر بچانے لگا۔

آشوک بابو یکدم سے بولے۔

"یہ کیا پرشانت۔؟ ایک طرف تو تم مجھے "آپ" کی جگہ "تم" کہنے کی بات کرتے ہو۔ اور ایک طرف مجھے غیر سمجھتے ہوئے اپنی بیماری کا بل چکاتے ہو۔"

وہ برا مان گئے۔

"یہ کیا حرکت ہے تمہاری۔؟"

اور پرشانت نے بحث مباحثے کو مناسب نہ جان کر صرف اتنا کہا۔

"آئی، ایم، سوری"

ڈاکٹر صمد نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ابھی کم از کم پندرہ دن تک پرشانت بابو کو پابندیٔ وقت کے ساتھ دوا کی ضرورت ہے آشوک بابو۔"

"میں پورا پورا دھیان رکھوں گا ڈاکٹر صاحب"

اور پھر ڈاکٹر صمد چلے گئے۔ آشوک بابو انہیں کار تک چھوڑنے کے لئے آئے۔ پرشانت کی حالت واقعی پہلے سے بہت ٹھیک تھی۔

"ایک بات پوچھوں پرشانت۔؟"

آشوک بابو نے پرشانت سے بڑے پیار کے ساتھ کہا۔

"جی ضرور پوچھئے" پرشانت نے حلیمی سے جواب دیا۔

"یہ آخر پلنگ، بستر اور چادر کی پوجا سے کیا مقصد ہے تمہارا۔؟"

"جی ——!"

پرشانت کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے ہی والی تھیں کہ اُس نے اس عظیم راز کی پردہ پوشی کی خاطر اپنی حالت پر پھر پور قابو حاصل کرنے کی کوشش میں کامیاب ہوتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

"بس یونہی آشوک بابو۔ یہ بھی میرا پاگل پن سمجھ لیجئے اور کیا۔"

"نہیں اس میں کوئی بات ضرور ہے" آشوک بابو بولے "کوئی اہم راز

ہے یہ - کوئی اہم بات - جبھی تو یہ اب تک تمہاری ضد رہی ہے - اور یہ اصرار رہا ہے تمہارا کہ اس پلنگ اور اس بستر اور چادر کے اس ڈھیر کو اسی طرح رہنے دیا جائے"

وہ مسکرائے -

محبت ایسی دھڑکن ہے جو سمجھائی نہیں جاتی
زباں پر دل کی بے چینی کبھی لائی نہیں جاتی

"کیا بات ہے ---؟"

"جی کوئی نہیں"

"پھر بھی ---"

اور جواب میں پرشانت نے انتہائی کشمکش کے عالم میں پڑ کر ملتجیانہ نظروں سے آشوک بابو کی طرف دیکھا -

"پلیز --- ! جانے بھی دیجئے"

"اچھا --- !" آشوک بابو کے دل پر اسکی اس حالت اور اسکی اس التجا کا اثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا - وہ مسکرادیئے " اچھا یہ بتاؤ پرشانت کہ تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی ---؟"

"نہ جانے کیوں" اُسنے کہا " شائد میرے علمی اور ادبی مشاغل نے مجھے اس طرف سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا"

اور پھر وہ بولا -

"یا شائد یہ بات رہی ہو کہ میری ایک بہن ہے جو مجھ سے چھوٹی ہے - اور میں نے غیر شعوری طور پر یہ سوچا ہو کہ پہلے پڑھا لکھا کر اسی اسکی شادی کر دوں - پھر سوچوں اس مسئلہ پر"

"اوہ --- ہاں --- چھوٹی بہن کا ذکر تو آپ نے پہلے بھی کیا تھا"

آشوک بابو نے جیسے کہ یاد کرتے ہوئے

کہا۔

"کیا عمر ہے اُسکی۔؟"

"یہ اُسکا بی۔اے کا آخری سال ہے۔" پرشانت نے بتایا۔" اب تو شادی کے قابل ہے۔ ہو گی یہی کوئی اٹھارہ اُنیس سال کی۔"

"اچھا۔!"

"جی ہاں۔"

"وہ وہاں پٹنہ میں کس کے پاس رہتی ہے۔؟"

"ہے ہی کون ہمارا، جو کسی کے ساتھ رہے۔ ہوسٹل میں رہتی ہے۔"

"پھر تم اُسے یہاں کیوں نہیں بُلا لیتے پرشانت۔؟"

"بُلا تا کیسے۔" پرشانت نے ملال کے ساتھ کہا۔" گھر یہاں میرے پاس کہاں تھا آشوک بابو۔ اب یہ اُس کا آخری سال ہے بی۔اے کا سوچتا ہوں اب میں اُسکی شادی ہی کر دوں۔ اپنے گھر چلی جائیگی بیچاری۔"

"تم اُسے یہاں بُلاؤ۔" آشوک بابو نے کہا۔" کیا یہ تمہارا گھر نہیں ہے۔ تم یہیں سے اُسکی شادی کرنا۔"

"جی بہتر۔" پرشانت نے احسان مندانہ نظروں سے آشوک بابو کی طرف دیکھا۔" میں اُسے بس خط لکھنے ہی والا تھا۔"

"ہاں ہاں ضرور لکھو۔ اور اُسے یہاں بُلوا دو۔"

"جی بہتر۔"

"آج ہی خط لکھو کہ امتحان دیکر یہاں آجائے۔"

"جی اچھا۔"

اور اشوک بابو نے کہا۔

"اچھا، اب تم دوا پی لو۔ دو گھنٹے ہو گئے"۔

انہوں نے پرشانت کے لئے گلاس میں دوا خود انڈیلی۔ اور پھر وہ دوا کا گلاس اُسکی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

"وقت پر ہی دوا پینے کا دھیان رکھنا"۔

"دوا پی لیجئے"۔

اور اس آواز پر اُسکی آنکھ کھل گئی۔ لیمپ کی مدھم روشنی میں اُسنے دیکھا کہ اس کے پلنگ کے بائیں طرف پٹی سے لگا کوئی کھڑا ہے۔

وہ کچھ نہیں سمجھ پایا۔ لیکن وہ اس آواز کو غیبی آواز سمجھ کر ہڑبڑا کر اُٹھا۔ میز پر رکھی ہوئی گھڑی پر اُسکی نظر گئی۔ رات کے ٹھیک دو بجے تھے۔

اور پھر اُسنے اپنے بائیں طرف دیکھا۔

"ارے ۔۔۔!"

جیسے کہ وہ پاگل ہو گیا ہو۔

"آپ ۔۔۔!!"

"آہستہ بولئے"

نینا کی میٹھی آواز اُسکے کانوں میں امرت رس بنکر ٹپکی۔

"دوا کا وقت ہو گیا تھا اور آپ بے خبر سو رہے تھے"۔

اور پریشانت نے پاگلوں کی طرح اسکی طرف دیکھتے ہوئے، بے اختیار اپنی کلائی اپنے منہ میں بھری۔ اور اسنے بیچین ہوتے ہوئے، گھبرا کر اس کا ہاتھ کھینچ لیا۔

"یہ خواب نہیں ہے" وہ بہت آہستہ آہستہ کانا پھوسی والے انداز میں کہہ رہی تھی "یہ حقیقت ہے کہ یہ میں ہوں۔ آپ دوا پی لیجئے"

"ہائیں —!"

وہ اسکے جلال وجمال میں کھو گیا۔ اسنے پھر کہا۔

"میں زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ آپ دوا پی لیجئے"

اسنے دوا کا گلاس آگے بڑھایا۔

"بس، پی لیجئے جلدی سے"

اور اسنے گلاس اسکے ہاتھ سے لے کر دوا پی لی۔

"دھنواد — شکریہ"

وہ اسکے ہاتھ سے گلاس واپس لیتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

"اب میں جاتی ہوں"

اسنے مڑتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک چار بجے دوا پھر پی لیجئے گا"

اور اسنے ہاتھ بڑھا کر بڑی بیقراری کے عالم میں اس کا آنچل تھام لیا۔

وہ ساری جان سے لرز گئی۔ وہ پسینے سے شرابور ہو چکی تھی۔

وہ اٹھ کر اسکے سامنے آ گیا۔

"پوجا تو کر لینے دیجئے"

وہ کچھ نہ بول سکی۔ اُسکی زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

وہ اُسکے سامنے فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ وہ اُس کے قدموں پر جھکا۔ اور قبل اس کے کہ وہ اُسکے قدموں کو چوم لے۔ اُسنے جھک کر اُسے بازوؤں سے اُٹھانے کی کوشش کی۔

لیکن وہ ٹھٹھک گئی۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔ آہستہ سے بولی۔

"بھگوان کے لئے یہ نہ کیجئے۔ جانے دیجئے مجھے"

وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اتنا کمینہ نہیں ہوں میں کہ آپ کا راستہ روک لوں"

"بھگوان نہ کریں کہ میں آپکو ایسا سمجھوں"

وہ نظریں نیچی کیے کیے بُدبُدائی۔

"ورنہ میں یہاں آتی ہی کیوں"

اور پھر اُسنے کہا۔

"میں نے ہولے ہولے کئی دفعہ دروازے پر دستک دی تھی کہ آپ اُٹھیں تو میں دروازے کے اُسی طرف سے آواز دے کر آپ سے کہدوں کہ آپ کی دوا کا وقت ہو گیا ہے۔ لیکن آپکی آنکھ نہ کھلی تو مجبور ہو کر مجھے اندر آجانا پڑا"

"اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ ساری رات میرے لئے جاگتی رہی ہیں۔"

"آپ کی دوا کی خاطر"

وہ ہولے سے بولی۔

"وقت پر آپکا دوا پینا بہت ضروری ہے"

"دوا پی کر کیا کروں گا میں"

"آپ پھر کبھی بیمار نہ ہوں گے"

"جسم بیمار نہ ہوگا۔ لیکن دل ۔۔۔!"

اسکا گلا رندھ گیا۔

"دل کی بیماری کا کیا علاج ہوگا۔۔؟"

اور وہ کوشش کے باوجود اس کا کوئی جواب نہ دے سکی۔ وہ بکھر گیا۔

"اسکا جواب دیکر ہی آپ مجھے مرنے سے بچا سکتی ہیں۔"

اور وہ بے ساختہ بولی۔

"بھگوان نہ کریں۔"

"کیا ۔۔۔؟"

"بھگوان نہ کریں کہ آپکو کچھ ہو۔"

اور پھر وہ لجاجت سے بولی۔

"اچھا۔ اب میں جاتی ہوں۔"

اور وہ اسکے جواب کا انتظار کئے بغیر کمرے کے دوسرے دروازے سے حویلی کے اس طرف چلی گئی۔ اندر پہنچکر دروازہ اس طرف سے اسنے بند کر لیا۔

اور وہ دروازے کی طرف منہ کئے کھڑا اسے تک رہا تھا۔

پریشانت کی صحت رفتہ رفتہ اُسے واپس مل رہی تھی۔ لیکن اُسکے دل کا سکون ناپید ہوتا جا رہا تھا۔ اور اب اُسے نینا کی جدائی اپنے لئے موت سے زیادہ بھیانک اور تکلیف دہ نظر آنے لگی تھی۔

اب دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں اُسکے لئے ایک پل بھی ایسا نہیں تھا جو اُسکا خالص اپنا ہو۔ وہ سوتے میں بھی نینا کے خواب دیکھتا تھا اور جاگتے میں بھی۔

اور نینا اُس سے، اُس پہلی مرتبہ کے علاوہ پھر کبھی نہیں ملی تھی۔ حالانکہ اُسکا اپنا خیال یہ تھا کہ نینا اب روزانہ نہ سہی تو کبھی کبھار، اُسے اپنا دیدار ضرور کرا جایا کرے گی۔ لیکن اُسکا یہ خیال محض ایک خیال ثابت ہوا۔ اور نینا پھر کبھی اُسکے پاس نہ آئی۔

نہ تو وہ پھر اُس کے پاس آئی اور نہ کبھی اُسنے کسی اور ذریعے سے

اپنی لگاوٹ یا دلی لگاؤ کا اظہار اُس سے کیا۔ کسی اور کے ذریعہ بھی اُسے ایسا کوئی کھوج نہ ملا جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ اُسے اُسکا خیال ہے یا اُس سے کسی حد تک وہ محبّت کرتی ہے۔

اُسنے کوٹھی کی ملازم عورتوں، بچّوں اور کوٹھی کے اندر آنے جانے والوں سے ٹوہ ٹٹولنے اور کھوج لگانے کے لئے باتیں بھی کیں۔ لیکن اُسے کسی ذریعہ سے بھی نینا کی چاہت، اُسکے خیال اور اُسکے لگاؤ کا کوئی ایک ہلکا سا پتہ بھی نہ چل سکا۔

اُسے احساس ہونے لگا کہ وہ، اُس رات جو اُس کے کمرے میں رات کے دو بجے اُسے دوا پلانے آئی تھی وہ نینا نہیں تھی بلکہ وہ اُس کا وہم تھا۔ وہ محض ایک خواب تھا اُس کا۔ وہ اُس کا خبطی پن تھا جو اُسنے اپنے اُس ایک خیال اور وہم کو نینا سمجھ لیا تھا۔

نینا نے اُسے اس بات کا احساس تک نہ ہونے دیا کبھی کہ نینا نام کی کوئی ہستی کوٹھی کے اندر ہے بھی کہ نہیں۔ وہ اُسکے لئے خواب و خیال بن کر رہ گئی اور اُسکے لئے ڈنڈ بیا، کر ھتا اور زنز ستارہ رہ گیا۔

اب آشوک بابو اُسکے پاس پہلے سے زیادہ آنے جانے اور اُٹھنے بیٹھنے لگے تھے اور راروں کمار بھی۔ اور اب وہ بھی یونیورسٹی آنے جانے لگا تھا۔ لیکن اپنے ہوش و حواس کی دنیا سے محروم ہو کر۔

" یہ کیا پاگل پن ہے میرا "

اُسنے ایکدن خود کو سمجھانے اور سنبھالنے کی کوشش کی ۔ وہ خود پر لعنت بھیجنے لگا۔

" کتنا کمینہ ۔ کتنا ذلیل اور کتنا خود غرض ہوں میں "

وہ بڑبڑایا۔

"اپنی آدھی سے زیادہ عمر گذار کر مجھے یہ پاگل پن سوجھا ہے۔ جوان بہن بیاہنے کو بیٹھی ہے اور میں کمینہ انسان اب اس عمر میں آکر اپنے بیقرار دل کا قرار ڈھونڈھنے چلا ہوں۔"

اس کے نتھنے پھڑکنے لگے۔ اسے خود پر بڑے زور کا غصہ آیا۔

"چھتیس سینتیس سال کی میری عمر ہے اور میں اس سن کو پہونچکر عشق و محبت کی محفل سجا رہا ہوں۔ یہ عمر۔! جس میں زندگی میں سلجھاؤ اور ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے۔ زندگی کے ٹھوس حقائق سامنے ہوتے ہیں اور جس عمر کو پہونچکر انسان جذباتیت کو سلام کر چکا ہوتا ہے۔ میں جذبات کی دھارا پر بہہ نکلا ہوں۔"

اس نے خود پر لعنت بھیجی۔

"لعنت ہو میرے اوپر اور میری اس آشفتہ سری پر۔"

اسے اپنے دل کی اس بیتابی اور اسکی اس تمنا پر بڑے زور کا غصہ آرہا تھا۔

"کس طرح اپنے اس منہ زور اور بے حیا دل کو میں اپنے سینے سے نکال کر باہر پھینکدوں۔"

وہ جھنجھلا گیا۔

"ایسے بدکردار دل کو تو سینے سے نوچکر باہر پھینکدینا چاہیئے۔ کتّے کے آگے ڈالدینا چاہیئے ایسے کمینے اور رُسوا کردینے والے دل کو۔"

اس نے اپنے دل پر ایک زور کا گھونسہ مارا۔

"اُف ـــ!"

It is a fact

اتنے زور کا گھونسہ اُسنے اپنے دل پر مارا تھا کہ وہ بے اختیار تڑپ گیا۔ اُسکا یہ گھونسہ اُسکے دل پر بڑے زور کا پڑا تھا۔

"نامراد — اچھل گئے"

وہ درد کی تکلیف دبائے ہوئے بھینچی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔

"یہ کیا سوجھی ہے تجھے۔ کیا یہ یاد نہیں رہا تجھے کہ اب تو عمر کی اس منزل سے بہت آگے نکل چکا ہے، جہاں اس نوعیت کے جو چلے ہوتے ہیں اور جہاں اس طور کی ضدیں کی جاتی ہیں۔"

اُسنے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

"خبردار جو اب تونے میرا جینا مشکل کیا۔ میں تجھے اپنے آپ سے جدا کر دوں گا۔ اپنے سینے سے نکال کر میں باہر پھینک دونگا تجھے۔"

آنسو اُسکی آنکھوں میں اُمڈ آئے۔ جنہیں وہ انتہائی ضبط تحمل اور بردباری سے کام لیتے ہوئے پی گیا۔

وہ جو کہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا بیٹھا تھا یکبارگی چونک پڑا۔

"ہوں — !"

اُسنے چونک کر اپنا سر اٹھایا۔ گووندنی اُسکے سامنے کھڑی تھی۔

"کیا ہے — ؟" اُسکی آواز میں گھٹن تھی۔ بیچارگی تھی اور کرب تھا۔

اُسنے اپنی بجھی بجھی نظروں سے گووندنی کو دیکھا۔

"ننیا دیدی نے کہلا ہے — !"

اُسنے چونک کر گووندنی کو دیکھا۔ اُسکی آنکھوں میں چمک آگئی تھی۔ وہ

ہمہ تن گوش بن گیا۔

"کیا کہا ہے تمہاری نیناوبدی نے ۔۔؟"

"کہا ہے کہ آپ نے کھانا کیوں نہیں کھایا۔"، گوونڈنی بولی "اور یہ بھی کہا ہے کہ آپ اتنے چُپ چُپ اور اُداس نہ رہا کیجئے۔ اور یہ بھی ۔۔۔"

اور اُس نے بیچین ہوکر، بیقراری سے پوچھا۔

"ہاں۔ اور کیا کہا ہے تمہاری نینا دیدی نے ۔۔؟"

"اور یہ بھی کہا ہے ۔۔"

"کیا ۔۔۔؟"

گوونڈنی نے پرشانت کو اُلجھنے والے انداز میں دیکھا۔

"کہنے تو دیتے نہیں ہیں آپ۔ آپ تو ۔۔"

"اچھا، اچھا، کہو ۔۔" وہ بیچینی سے بولا "اب میں تمہارے کہنے کے بیچ نہ بولونگا۔ قسم لے لو ۔۔"

"بولے تو جا رہے ہیں آپ ۔"

گوونڈنی چڑکر بولی۔

"کیا کہوں ۔۔؟ دھول، گردہ، مٹی ۔"

"اچھا، اچھا۔ کہو ۔"

گوونڈنی بولی۔

"اور یہ کہا ہے کہ ۔۔"

"ہاں کیا کہا ہے ۔۔؟"

"دھت تیری کی ۔۔"

گووندنی نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"اب میں کچھ نہ کہونگی"

اور پرشانت نے گھبرا کر گووندنی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اُسنے اُسے ملتجیانہ نظروں سے دیکھا۔ گووندنی بولی۔

"اور کہا ہے کہ پوجا دیوی دیوتاؤں کی ہوتی ہے منش کی نہیں"

اُسنے رُک رُک کر کہا۔

"کہا ہے کہ آپ جس کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ پاپ ہے"

"پاپ ـــ!"

پرشانت نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

"اپنی دیدی سے میری اور سے کہنا کہ میں جس کی پوجا کرتا ہوں وہ پاپ نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہہ دینا کہ میں اپنے کسی بھی جنم میں یہ پوجا نہ چھوڑوں گا۔ دیوی میری پوجا سویکار کرے اور چاہے نہ کرے۔ میں اپنے ہر جنم میں اُسکی پوجا اسی طرح کرتا رہونگا"

"اور کھانا کھانے والی بات ـــ؟"

گووندنی نے پوچھا۔

"اور اُداس نہ رہنے والی بات"؟

"کہنا کہ من کی اُداسی میرے بس کی بات نہیں ہے۔ اگر میرا دل میرے بس میں ہوتا تو یہ نوبت ہی نہ آتی"

پرشانت نے ایک طویل آہ کھینچی۔ اس انداز میں کہ اُسکی آنکھوں سے اُس کا درد آنسو بن کر چھلک اٹھا۔ اُسنے ایک کراہ کے ساتھ کہا۔

"اور کہنا کہ یہ میرا بھگوان جانتا ہے کہ مجھے بھوک نہیں لگتی"

وہ ہونٹ کاٹنے لگا۔

"اور کہنا کہ آپ کھانا کھا لیجئے"

"وہ کیسے کھانا کھا لیں گی"؟

"کیوں ——؟"

"نینا دیدی تو آج چار دن سے پورا برت رکھ رہی ہیں" گووندنی بولی "اور ابھی چار برت اُن کے اور باقی ہیں"

"برت —— ! کیوں —؟"

"آپ کے لئے" گووندنی نے کہا "انہوں نے آپکی بیماری دور ہو جانے کے لئے برت مان لئے تھے"

"ارے —— !"

پرشانت یکبارگی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُسنے گووندنی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا لیا۔

"گووندنی —— !"

"ہاں پرشانت بابو —"

گووندنی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ پرشانت کے چہرے کو یک ٹک دیکھتے ہوئے جیسے کہ خوابوں میں بولی۔

"ہماری نینا دیدی آپ سے اتھاہ پریم کرنے لگی ہیں"

"گووندنی —!"

پرشانت کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھارا پھوٹ نکلی۔

"انہیں اب کچھ اچھا نہیں لگتا" گووندنی سسک پڑی "وہ دن رات کھوئی کھوئی رہتی ہیں۔ اُن کی گمبھیرتا کی موت ہو چکی ہے پرشانت بابو"

"پھر ——!"

پرشانت کے لرزتے ہونٹوں سے نکلا۔ اور گوونڈنی گھٹی ہوئی آواز میں بولی۔

"آپکو نہیں معلوم پرشانت بابو"

اُسنے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"وہ وِدھوا ہیں"

اُسنے اپنی باہوں کے بیچ اپنا منہ چھپا لیا۔

"وہ تیرہ چودہ برس سے وِدھوا ہیں۔ وِواہ کے چھ مہینے کے اندر ہی اُن کے پتی سورگباش ہو گئے تھے"

"ہائیں ——!"

"ہاں پرشانت بابو"

اور پھر وہ گرتی پڑتی وہاں سے بھاگ گئی —— اور پرشانت نے آگے بڑھ کر دیوار کا سہارا لے لیا۔

رات کے ڈھائی بج گئے تھے۔

اور پرشانت کرسی پر بیٹھا، اپنی دونوں کہنیاں میز پر ٹکائے، اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے ابھی تک بیٹھا تھا۔

اور لیمپ کی مدھم روشنی میں، چھت پر پڑنے والا اُس کا بڑا سا سایہ بھیانک اور پُراسرار دکھائی دے رہا تھا۔

اُسکے سامنے کا میز پوش کا حصہ اُسکے آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا۔

"اُف ——!"

ایک سرد آہ اُسکے جگر سے چھوٹی۔

"کاش میں یہاں آیا ہی نہ ہوتا"

"بُرا بھی کیا ہوا"

اور وہ کمرے کی اس تنہائی اور رات کی اس خاموشی میں اس آواز پر چونک پڑا۔ اُسنے گھوم کر پیچھے دیکھا۔ بنیا اُس کے سامنے کھڑی تھی۔

وہ اُسے مبہوت ہو کر تکتا کا تکتا رہ گیا۔

"رونا۔ رات رات بھر نہ سونا۔ اور اس طرح اپنی جان کو کھونا، آپ جیسے پڑھے لکھے، قابل اور ہوش مند انسان کو زیب نہیں دیتا"

بنیا اُسے پیار، ہمدردی، رفاقت اور اپنی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"خود کو سنبھالنے اور خود پر قابو پانے کی کوشش بڑی بات نہیں ہے"

"جی ——"

وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُسنے بنیا سے لجاجت سے کہا۔

"پہلے بیٹھ جائیے آپ"

"کاش! میرے پاس اتنا سمے ہوتا"

بنیا ہڑبڑائی۔

"وقت کہاں سے لاؤں"؟

"وقت ہم انسانوں کے ہاتھوں میں خام لوہے کی طرح مڑ سکتا ہے بنیا دیوی" پرشانت ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔ "اگر ہم میں اتنی قوت ارادی ہو تو ——"

اُس نے کہا۔

"وقت ہمارا غلام ہو سکتا ہے، اگر ہم وقت پر قابو حاصل کر لیں۔"

"وقت اور بدلے ہوئے حالات پر قابو حاصل کرنا ناممکن بات ہے۔"

وہ آہستہ سے بولی۔

"نہیں نینا دیوی۔"

پرشانت نے کہا۔

"دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں ہے۔ اگر ہم اُسے ناممکن نہ سمجھ لیں۔"

"اچھا ۔۔۔!"

وہ آہستہ سے بولی۔

"وعدہ کیجئے کہ آپ یہ سب کچھ نہیں کریں گے جو کہ آپ کر رہے ہیں۔"

"اور آپ ۔۔۔!"

"مجھے کیا ہوا ہے ۔۔۔؟"

"تو پھر مجھے بھی کچھ نہیں ہوا۔" پرشانت بولا۔ "کیا ہوا ہے مجھے ۔۔۔؟"

نینا خاموش ہو گئی۔ پرشانت بھی خاموش تھا۔ صرف اُنکے دلوں کی دھڑکن اور گھڑی کی ٹِک ٹِک سُنائی دے رہی تھی۔

وہ چند لمحے۔ کچھ دیر اسی طرح کھڑے رہے۔

"اچھا ۔۔۔!" نینا کی بجھی بجھی آواز سنائی دی۔ "میں جاتی ہوں۔"

"میں بھی صبح ہوتے ہی چلا جاؤں گا۔"

اور وہ یکبارگی چونک پڑی۔

"کہاں ۔۔۔؟"

اُس کے اُٹھے ہوئے قدم رُک چکے تھے۔ وہ حزن و یاس کا مجسمہ

ونیتا پرشانت کو تک رہی تھی ۔ اُسکی آنکھوں سے آنسوؤں کے کئی قطرے
ٹپک گئے ۔

پرشانت نے بدحواس ہوکر اُسکے دونوں شانے پکڑ لئے ۔ وہ ساری کی ساری
جان سے لرز گئی ۔ وہ احتجاج پر اُتر آئی ۔ کئی قدم پیچھے ہٹتے ہوئے تھکی
ہوئی آواز میں بولی ۔

" بھگوان کے لئے ـــ میں ودھوا ہوں ۔ نرکھ میں نہ دھکیلئے مجھے ۔"

" پڑھی لکھی، سمجھدار اور ہوشمند ہوکر آپ دقیانوسی بات
نہ کیجئے ۔"

پرشانت اُسے سمجھانے کے طور پر عاجزی سے بولا ۔

" یہ سب بیکار کی باتیں ہیں ۔ غلط قسم کے احساسات اور خیالات
ہیں یہ ۔ ہمیں ان غلط اور ناجائز قسم کے بندھنوں کو توڑ ڈالنا ہوگا ۔"

" جی ـــــ !"

" ہاں ونیتا دیوی ۔"

" پاپ سمجھتے ہیں آپ ـــ ؟"

" ہاں ۔" پرشانت بولا ۔" پاپ یہ ہے جس سے ہم گذر رہے ہیں ۔
یہ ہمارا گھٹ گھٹ کر مرنا پاپ ہے ۔ فطرت کے جائز تقاضوں کو ریت،
رسم و رواج اور سماج کے ظالم اور غلط قسم کے بندھنوں میں جکڑے
رہنا گناہ ہے ونیتا دیوی ۔ پاپ یہ ہے کہ ہم سماج کے بے رحم، ظالم، جابر
اور انسانی جذبات کے قاتل ٹھیکیداروں کے غلط قسم کے فیصلوں کو
مان لیں ۔ اور اُن کے ناجائز مطالبات کے آگے اپنا سر جھکا دیں ۔"
اُسنے کہا ۔

"کون کہتا ہے کہ ودھوا کا دوسرا وِواہ نہیں ہو سکتا۔ اور پھر اس ودھوا کا بیاہ جو بال ودھوا ہو۔ یا وواہ کے سال چھ مہینے کے بعد ہی جس کا پتی مرگیا ہو۔ کون کہتا ہے کہ اس استری کا دوسرا وِواہ نہیں ہو سکتا۔ کس مقدس کتاب میں اور کہاں لکھا ہوا ہے یہ ——؟"

اُسنے اضطرابی کیفیت کے درمیان کہا۔

"مجھے بتائیے بینا دیوی —— مجھے دکھائیے اور سمجھائیے کہ یہ مذہب بکواس کہاں اور کس جگہ لکھی ہے۔"

اُسنے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"مذہب کے ٹھیکیداروں نے اور سماج کے اُن خبیث بوڑھوں نے یہ افواہیں اُڑا رکھی تھیں کہ ودھوا لڑکی کا دوسرا وِواہ نہیں ہو سکتا جو خود مذہب کی آڑ میں شکار کھیل کھیل کر بوڑھے اور ناکارہ ہو چکے تھے۔"

اُسنے متانت سے کہا۔

"اور اب جب کہ ہم لوگ علم کی روشنی حاصل کر چکے ہیں۔ ہمارا اس لکیر کا فقیر بنے رہنا ہماری کم عقلی، جہالت اور بزدلی نہیں تو اور کیا ہے۔"

"جی ——!"

بینا مری ہوئی آواز سے بولی۔

"ٹھیک ہی کہتے ہوں گے شاید آپ۔"

"ٹھیک ہی کہتے ہوں گے نہیں بلکہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" پرشانت بولا۔ "اور شاید نہیں بلکہ یقیناً۔"

"جی ——"

"کیا جی ——؟"

"اچھا ۔ اب میں جاتی ہوں"

پرشانت اس کے سامنے کھڑا ہو گیا ۔

"اور اگر میں نہ جانے دوں تو ۔۔؟"

"میں اجازت لے لونگی"

"اور اگر میں اجازت نہ دوں؟"

"میں ہاتھ جوڑ دونگی"

"اگر پھر بھی اجازت نہ ملے"

"میں اپنی رسوائی اور بدنامی کا حوالہ آپکو دونگی"

"اوہ ۔۔۔!"

پرشانت چپ ہو گیا ۔ اور پھر بولا ۔

"اور اگر میں پھر بھی نہ مانوں ۔۔؟"

"تو میں آتم ہتیا کر لونگی"

پرشانت نے نینا کو بغور دیکھا ۔

"پھر آپ یہاں آئی کیوں تھیں ۔۔؟"

"آپ کی حالت سے پریشان ہو کر، میں آپکو سمجھانے آگئی تھی ۔"

"سمجھا دیا آپ نے مجھے ۔؟"

"نہیں"

"پھر ۔۔!"

"میں آپکو پھر کبھی سمجھانے کی کوشش کرونگی"

"خود سمجھنے کی کوشش کیجئے نینا دیوی ۔"

"جی ۔۔!"

اور پھر وہ آہستہ خرامی کے ساتھ کمرے کے باہر چلی گئی۔ اُسنے کوٹھی کے اُس طرف پہنچکر کمرے کا دروازہ آہستگی کے ساتھ بند کر لیا تھا۔

پرشانت اب مکمل طور پر صحت یاب ہو چکا تھا۔ اور اُسکی یہ مکمل صحت کی وجہ سے اُس کا ذہنی اور قلبی سکون تھا۔ اُسکی محبت میں اب وہ ہیجانی کیفیت، نہیں رہی تھی جو کہ پہلے تھی۔
اُسے یہ مکمل اعتماد تھا اور یہ اطمینان ہو چکا تھا اُسے کہ نینا بھی اُسے چاہتی ہے اور اُس سے محبت کرتی ہے۔ اور یہ کہ وہ نینا کی محبت حاصل کرنے کے بعد اُسے بھی حاصل کر سکتا ہے۔
اور وہ نینا کو حاصل کرے گا۔ اس کا وہ اپنے دل میں فیصلہ اور عہد کر چکا تھا۔
لہٰذا وہ مطمئن تھا اور خوش تھا۔ اُدھر اُسکی بہن انوارادھا کا یہ خط اُس کے پاس آ گیا تھا کہ وہ بی۔ اے۔ فائنل کا امتحان بڑے کامیاب طریقہ پر ختم کر چکی ہے اور اب وہ اُس کے پاس آ رہی ہے۔ اُسنے اُسے یہاں چلے آنے کا خط لکھا تھا۔
اُدھر الہ آباد یونیورسٹی کا یہ زوردار آفر تھا اُسکے پاس کہ وہ شعبۂ فلسفہ کے صدر کی حیثیت سے جب چاہے اپنا عہدہ سنبھال لے۔
اُدھر ارون کمار نے بھی اُسکی دلی لگن کے باعث اور اُسکی جان توڑ کوچینگ کی وجہ سے بی۔ اے فرسٹ کلاس میں پاس کر لیا تھا۔ اور

"آشوک بابو کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ وہ پرشانت بابو کو اپنے گھر اور اپنے خاندان کے لئے باعث برکت و باعث رحمت سمجھنے لگے تھے۔ اور دن رات اسکی دلجوئی میں لگے رہتے تھے۔

"پرشانت —!"

"جی آشوک بابو"

"تم مجھے آشوک بابو کے بجائے کچھ اور کیوں نہیں کہتے ہو جی۔"

آشوک بابو پیار سے بولے۔

"تم مجھے کچھ اور نہیں تو کم از کم چاچا جی تو کہہ ہی سکتے ہو"

"بہت اچھا چاچا جی" پرشانت کا دل مسکرا اٹھا "آپ تو میری عزت اور وقعت بڑھاتے چلے جا رہے ہیں۔ آپکا احسان"

"ہماری بیٹی، یعنی کہ تمہاری بہن الورادھا کب آ رہی ہے پرشانت؟"

"آج ہی آ رہی ہے چاچا جی —"

"کلکتہ میل سوا گیارہ بجے آتا ہے۔ ہم سب اُسے لینے کے لئے ٹھیک ساڑھے دس بجے یہاں سے نکل چلیں گے"

"بہت اچھا چاچا جی"

آشوک بابو اسوقت بید خوش تھے۔ بولے ...

"پھر ہم اُن بہت ساری خوشیوں کے جمع ہو جانے کی خوشی میں پرسوں اپنی کوٹھی کو دلہن کی طرح سجا کر ایک شاندار تقریب منائیں گے"

"وہ کیا چاچا جی"؟ پرشانت نے پوچھا۔

"ایک شاندار دعوت" اروِن کمار یکبارگی بولا "کیوں کیا خیال ہے آپکا بھیا —؟"

"ویری گڈ ۔۔۔!" آشوک بالو ارون کمار کی پیٹھ تھپک کر بولے "پرشانت جی یا پرشانت بالو کی جگہ یہ تمہارا بڑے بھیا کہنا مجھے جی سے پسند آیا ہے اور میں بلکہ میں تم سے یہی کہنے والا تھا کہ تم پرشانت کو بڑے بھیا کرو۔"

اور پھر وہ بولے۔

"شاندار دعوت کے ساتھ ہی ساتھ ایک شاندار مشاعرہ بھی ہوگا۔" انہوں نے اپنی رائے دیتے ہوئے پرشانت سے پوچھا "کیوں پرشانت ۔؟"

"جی، بڑا شاندار پروگرام ہے۔"

پرشانت نے خوش ہو کر کہا۔ اور آشوک بالو بولے۔

"لیکن ان تمام باتوں کی منظوری ہمیں اپنی بٹیا سے لینی ہوگی۔" وہ مسکرائے۔ "اسلئے کہ اپنی حکومت کی فائینینس منسٹر تو وہی ہے۔"

اور پھر جیسے کہ وہ چونکے۔

"تم ہماری بٹیا کو جانتے ہو پرشانت ۔؟"

اور یہ سنتے ہی پرشانت کا دل اُس کے سینے میں زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اور ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ اُن کے اس سوال کا کیا جواب دے کہ آشوک بالو بولے۔

"یہ ہماری بیٹی لاکھوں میں ایک ہے پرشانت ۔۔"

"لیکن ۔۔۔" وہ اُداس ہو گئے۔ غم میں ڈوبی ہوئی آواز اُن کے منہ سے نکلی "لیکن قسمت کی ہیٹی ہے بیچاری۔ اپنے لئے۔"

وہ ہونٹ کاٹنے لگے۔

"رو دھوا ہے بیچاری ۔۔۔ اب سے چودہ سال پہلے اُس کی شادی ہوئی تھی۔ جب وہ صرف چودہ برس کی تھی۔ شادی کے چھ ہی مہینے

بعد اُس کا پتی مر گیا۔ اور اُس کے اسی غم میں اُس کی ماتاجی سال،
ڈیڑھ سال کے اندر ہی سورگباش ہو گئیں۔ اور ــــ"
پرشانت نے دل کڑا کر کے اپنی رائے دی۔
"آپ کو اُن کا دوسرا وِواہ کر دینا چاہیے تھا۔ آپ تو سمجھدار اور
پڑھے لکھے ہیں چاچا جی"
اور پھر وہ فوراً ہی بولا۔
"اور اگر وہ راضی ہوں تو اب اُن کا دوسرا وِواہ آپ کر دیجئے!۔
یہ کوئی پاپ نہیں ہے۔"
آشوک بابو نے چونک کر پرشانت کو دیکھا۔ وہ اُسے دیکھتے کے
دیکھتے رہ گئے۔ بہت آہستہ سے بولے۔
"یہی تو مشکل ہے پرشانت۔ وہ اُسوقت اپنے دوسرے وِواہ
پر راضی نہیں ہوئی تو اب وہ کیا راضی ہو گی"
وہ افسردہ ہو گئے۔ زیرِ لب بڑبڑائے۔
"کاش۔! وہ اب بھی راضی ہو جائے"
اور پھر اُس کے بعد وہ کوئی اور بات نہ کر سکے۔ وہ اپنی بیٹی کے
غم میں وہ نڈھال ہو چکے تھے۔ وہ وہاں سے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں
چلے گئے ــ پرشانت کا دل آشوک بابو کے ان خیالات اور احساسات
کو جان کر خوشی سے ناچنے لگا تھا۔

انورادھا کو دیکھ کر آشوک بابو متحیر اور حیران رہ گئے۔ اُنہی

خوبصورت، تندرست اور باوقار لڑکی ـ! انہوں نے اُسے بے اختیار
اپنے گلے سے لگا لیا ـ

وہ سوچ رہے تھے ـ

"کاش! یہ اُن کی بیٹی بن سکے ـ"

"یہ ارون کمار جی ہیں" پرشانت نے اپنی بہن انورادہا سے ارون کمار
کا تعارف کرایا "ہمارے چاچاجی کے بیٹے اور میرا چھوٹا بھائی ـ"

"جی ـ!"

مشرقی تہذیب، مشرقی شرم وحیا اور انداز کو لئے ہوئے انورادہا
نے ارون کمار کو ہاتھ جوڑ کر نمستے کی اور ارون کمار کسی گہری سوچ میں
ڈوب گیا ـ

اور پھر یہ چاروں آشوک بابو کی بگھی میں بیٹھ کر کوٹھی پر آگئے ـ

"میں اپنی بیٹی کو اندر لے جاتا ہوں پرشانت" آشوک بابو نے کہا "اپنی
بیٹی نینا سے اسکا تعارف کرادوں ـ یہ وہیں رہے گی"

"جی بہتر ہے" پرشانت نے کہا "آپکی بیٹی ہے ـ"

اور نینا جو کہ حویلی کی ڈیوڑھی میں کھڑی تھی ـ انورادہا کے ڈیوڑھی
میں آتے ہی اُس سے بے ساختہ لپٹ گئی ـ وہ اُسے بہت دیر تک لپٹائے
رہی ـ پھر وہ اُسکی پیشانی چوم کر بولی ـ

"میں تمہاری دیدی ہوں انو اور یہ تمہارا گھر ہے ـ یہاں کی ہر چیز
تمہاری ہے ـ اور تم ہماری ہو"

"آپ سب ـ" انورادھا کی آنکھوں میں اس بے ساختہ پیار، اپنائیت
اور چاہت پر آنسو آگئے ـ "انسان کے روپ میں دیوتا ہیں"

معصوم انورادھا کو زندگی میں کبھی اپنوں کا پیار نہیں ملا تھا۔ لہٰذا وہ اس پیار پر لوکھلا گئی۔ اُس کا دل اس مسرت کو پا کر اُس کے سینے میں بلیوں اُچھل رہا تھا۔

"ایک بات ہے بھئی" آشوک بابو اپنی بیٹی سے کہہ رہے تھے۔ "جب ہم میں اتنی اپنائیت اور اتنا پیار ہو گیا ہے تو پرشانت کا اس طرح کوٹھی سے باہر رہنا مجھے کھل رہا ہے نینا بیٹی۔ پرشانت لاکھوں میں ایک ہے۔ مہینوں سے ہم اُن کی شرافت پرکھ رہے ہیں۔ لہٰذا تمہارا اُس سے پردہ کرنا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اگر تمہیں کوئی خاص اعتراض نہ ہو بیٹی تو۔"

"ہاں دیدی!"

ارون یکبارگی بولا۔

"یہ میری بھی خواہش ہے۔ تمہیں بھی بڑے بھیا کو اب غیر نہ سمجھنا چاہیئے"

نینا سٹ پٹا گئی۔ اُس کی آنکھیں نیچے جھک گئیں۔ اور وہ ان فرمائشوں کا کوئی جواب نہ دے سکی کہ انورادھا یکدم سے بول پڑی۔

"ابھی رہنے دیجئے" اُس نے آشوک بابو سے کہا۔ "میں اپنی دیدی کو اس بات پر پھر راضی کر لوں گی چاچا جی"

اور یہ سُنتے ہی نینا نے انورادھا کو بے اختیار لپٹا لیا۔

آشوک بابو کی یہ حسین کوٹھی دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ اور معزز مہمانوں کے پرے کے پرے جمع تھے۔ شہر بھر کے چوٹی کے ادیب اور شاعر

موجود تھے۔ اور مشاعرے کی یہ محفل اس کوٹھی کے بڑے ہال میں منعقد کی گئی تھی۔

ایک طرف کا حصہ خواتین کے لئے تھا۔ جہاں سے وہ تو اس پوری محفل کو دیکھ سکتی تھیں۔ لیکن انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور اسی جگہ معززین کی ہندو مسلم عورتوں کے علاوہ نینا بھی تھی اور انورادھا بھی۔

مشاعرہ بڑی کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا کہ اناؤنسر نے بڑے چاؤ، بڑے ادب اور بڑے احترام کے ساتھ پرشانت کا نام پکارا۔

اُس نے کہا۔

"اب میں پرشانت بابو جیسے عظیم انسان اور ذی علم ہستی سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ تشریف لاکر سامعین کو اپنے اردو کلام سے مستفیض فرمائیں۔"

اور یہ سنتے ہی ہر طرف سے پرجوش تالیاں بجنے لگیں۔ اور پرشانت نے صاحب صدر کے برابر آکر سننے والوں کو مخاطب کیا۔

"معزز خواتین و حضرات! میں شاعر نہیں ہوں۔ بلکہ میرا موضوع تاریخ اور فلسفہ ہے۔ لیکن چونکہ میں کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا کرتا ہوں۔ لہٰذا آپ سب کی خواہش پر میں اپنی ایک غزل پیش کر رہا ہوں۔ یہ نظر تعریف و توصیف نہیں بلکہ بغرض صلاح و مشورہ۔ ملاحظہ فرمائیے:"

اور پھر صاحب صدر کی اجازت کے بعد اُس نے غزل شروع کی۔

یونہی تو ہیجان نہیں ہے — عشق ہے یہ بہتان نہیں ہے
اُن کا زانو، اُن کا دامن — ہوش کا اب امکان نہیں ہے
دل سا دوست، نہ دل سا دشمن — اس سے مفر آسان نہیں ہے

داغِ تمنّا دل میں لاکھوں — دل کا چمن ویران نہیں ہے
دل کے تقاضے توبہ، توبہ — کون کہے نادان نہیں ہے
عشق کے دعوے حسن کی باتیں — یہ منزل آسان نہیں ہے
آنکھ میں آنسو لب پہ آہیں — یہ اُلفت کی شان نہیں ہے
جھیل تو لوں میں سب کچھ لیکن — دل کی خلش آسان نہیں ہے
پریشانؔ سُنو مت دل کی بات
کیا یہ دشمنِ جان نہیں ہے — دعا دل رشید)

پریشانؔ کی یہ غزل بیحد پسند کی گئی۔ اور اُس کی اس غزل کا ایک ایک شعر بار بار پڑھا گیا۔ پریشانؔ کا یہ نیا روپ دیکھ کر نیلا کے دل میں اُسکی عظمت اور اُسکی محبت کا ایک نیا طوفان، ایک نئے انداز سے موجزن ہونے لگا۔ اُسے بھی پریشانؔ کی یہ غزل جی اور جان سے پسند آئی تھی۔

اُس نے انورادھا سے چپکے سے کہا۔

"تم اپنے بھیّا سے میری طرف سے کہنا انوؔ کہ اُن کی یہ غزل مجھے دل سے پسند آئی ہے۔"

"سچ دیدی۔!"

انورادھا خوش ہو کر بولی۔ اور نیلا نے اپنے دل کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں انوؔ۔ تمہاری قسم۔"

اور پھر وہ بے ساختہ کہہ گئی۔

"انوؔ۔! میرا کتنا کتنا جی چاہتا ہے کہ تم ہمیشہ کیلئے ہماری

ہو جاؤ۔"

"تو کیا میں آپکی نہیں ہوں دیدی ۔؟"

"ہو تو" نینا بولی "لیکن میری خواہش ہے۔ یہ ارمان ہے میرا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو۔ یہیں کی ہو کر رہ جاؤ تم"

اور الوراد ہا اُسکے کہنے کا مطلب اب سمجھی۔ اُسکی نظریں جھک گئیں۔ اُسکی پیشانی بھیگ گئی تھی۔

کھانے کی میز جب سج چکی تو ہم شوک بابو نے بڑے چاؤ اور بڑے ارمان سے کہا۔

"آج ہم سب ایک ساتھ بیٹھکر کھانا کھائیں گے"

"ہاں ڈیڈی" اروَن نے بے ساختہ تائید کی "میرا جی بھی یہی چاہتا ہے"۔ اور پھر اُسنے جوشِ مسرت میں اُٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بڑے بھیا کو بُلا لاؤں جا کر ۔؟"

آشوک بابو نے کنکھیوں سے اپنی بیٹی نینا کی طرف دیکھا۔

"ہاں" وہ بولے "بُلا لاؤ اروَن"

اور پھر انہوں نے فوراً ہی کہا۔

"اب یہ اچھا نہیں لگتا کہ وہ، جو کہ اب ہمارا ہو چکا ہے۔ ہم سے الگ رہ کر باہر بیٹھ کر کھانا کھائے"

انہوں نے نینا کی طرف پھر دیکھا۔

"اور پھر ایسی حالت میں جبکہ اُسکی بہن، یہ ہماری بیٹی الوراد ھا بھی یہیں

لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہی ہے ؟"

" تو پھر میں بڑے بھیا کو بلائے لاتا ہوں "

" ہاں بیٹے "

" ابھی لاتا ہوں بلا کر "

ارون باہر کی طرف لپکا ہی تھا کہ نینا کسمساتے ہوئے اپنی کرسی پر سے اٹھی۔

" کہاں جاتی ہو تم بیٹی۔ ؟"

اشوک بابو نے پوچھا۔ اور نینا گومگو کی کیفیت کے درمیان آہستہ سے بولی۔

" میں۔ جی۔ میں۔ میرا مطلب ہے کہ "

" نہیں بیٹی۔ تم نہیں جاؤ گی " انہوں نے کہا " پرشانت جیسا نیک، شریف اور انتہائی معقول انسان ہم میں اٹھ بیٹھ سکتا ہے۔ میں نے اسے پہچان کر ہی یہ قدم اٹھایا ہے۔ تمہارا اس سے پردہ کرنا اس کی شرافت کی توہین ہے "

اور پھر نینا، بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں نیچی تھیں اور اسکی ناک پر پسینے کی بوندیں تھرتھرا رہی تھیں۔

اتنے میں ارون پرشانت کو لے کر آگیا۔ اور یہ سب کے سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

" آؤ، آؤ، پرشانت "

اشوک بابو نے فوراً ہی نینا کا پرشانت سے تعارف کرایا۔

" پرشانت ! یہ میری بیٹی ہے نینا۔ ہم سب کی نینا دیدی "

اور پھر انہوں نے بینا سے فوراً ہی کہا۔

"یہ ہمارے پرشانت بالو ہیں۔ ہمارا پرشانت ! جواب ہمارا بھتیجہ ہے"

دونوں نے ایک دوسرے کو ہاتھ جوڑ کر نمستے کی۔ اور پھر یہ سب کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔ بینا چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اُس سے منہ بھی نہیں چل رہا تھا۔ اور پھر وہ جلدی سے کھانے سے فارغ ہو کر اُٹھ گئی۔ اور یہ سب کے سب اُسے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

نینا کسی گہری سوچ میں ڈوب چکی تھی کہ اردن نے پاگلوں کی طرح ہڑبڑا کر آتے ہوئے اُسے گہری سوچ سے باہر نکالا۔ وہ یکبارگی چونک پڑی۔ اُس کا دل یکدم سے دھک سے ہو کر رہ گیا۔ وہ قدرے بیزاری اور خفگی سے بولی۔

"یہ کیا حماقت ہے اردن۔ کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔۔۔؟"

"ہو تو نہیں گیا نینا دیدی" وہ شوخی سے بولا "لیکن اگر تم نے میری مدد نہ کی تو میں پاگل ضرور ہو جاؤں گا"

"کیا بکتے ہو جی"

"بکتا نہیں ہوں۔ سچ کہتا ہوں نینا دیدی"

"کیا بات ہے۔۔؟"

"بہت بڑی بات ہے بھی اور نہیں بھی"

"مطلب ___؟"

"تم ڈیڈی جی سے کہکر میرا بیاہ کرادو"

"کس سے ۔ ؟"

"جس سے میں شادی کرنا چاہا ہوں"

"کوئی پسند کر لی ہے کیا ۔ ؟"

"ہاں دیدی ___!" اس نے نینا کی گود میں اپنا سر رکھ دیا۔

"کون ہے وہ ___؟"

اور ابھی وہ جواب دے بھی نہیں پایا تھا کہ دادی ماں، جو کہ مالا پھرا رہی تھیں بجد سے بولیں۔

"انو رانی کے سوا اور بھی کون ہو سکتا ہے نینا ___"

وہ اپنے پوپلے پن کیسا تھ مسکرا رہی تھیں۔

"انو رادھا ہی سے تم اس کا بیاہ کرا دو بیٹی"

"ارے ___!" ارون نے حیرت اور تعجب سے اپنی دادی ماں کو دیکھا "تم تو غیب دان ہو گئی ہو دادی ماں ___ تم تو دلوں کی بات جان لیتی ہو"

"یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے بیٹے"

اور پھر وہ مالا پھراتے ہوئے بڑبڑائیں۔

"آج کے لڑکوں اور لڑکیوں کے لچھن میں اچھی طرح جانتی ہوں"

وہ مالا کے منکوں میں کھو کر بڑبڑائیں۔

"انو بٹیا کا رشتہ ایک اچھا اور بھاگوان رشتہ ہے"

"دیکھو دیدی۔!" ارون کمار بولا" اب تو دادی ماں نے بھی اس رشتے کی اچھائی کی تصدیق کر دی ہے۔ اور مالا کے منکوں میں کھو کر یہ بات انہوں نے کہی ہے"۔

اور نینا جو کہ دادی ماں کی باتوں سے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ چونک کر بولی۔

"اچھا۔! میں پتاجی سے بات کرونگی"۔

اور دادی ماں نے اپنا منہ اٹھا کر اپنی مل گجی آنکھوں سے۔ معنی خیز نظروں سے نینا کو دیکھا۔ وہ بڑبڑائیں۔

"من کا چور ایک نہ ایک دن پکڑا ضرور جاتا ہے"۔

نینا سٹپٹا گئی۔ اسکے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"اچھا۔!"

آشوک بابو کا چہرہ کھل اٹھا۔

"یہ تو وہی ہوا ہے جو میرے دل میں تھا"۔

اور پھر وہ یکبارگی بولے۔

"تم پرشانت سے اب دو چار باتیں تو کر ہی لیتی ہوگی۔؟"

"جی۔!"

نینا یکبارگی گھبرا کر بولی۔ اور انہوں نے کہا۔

"اس قسم کی باتیں تو لڑکی والوں ہی کی طرف سے اٹھتی ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ تم اگر پرشانت سے۔"

"کیا کہہ رہے ہو، آپ پتاجی —!"

نینا بوکھلا گئی۔

"میں انورادہا کے بھیّا سے —"

"ہاں۔ ہاں۔" وہ بات کاٹ کر بولے۔ "اس میں ہرج ہی کونسا ہے۔ کوئی غلط یا نامناسب بات تو یہ ہے نہیں۔ اگر تم پرشانت کو اس بات پر راضی کرلو کہ وہ —"

وہ رُک کر بولے۔

"اگر وہ خود ہی انورادہا کی بات مجھ سے کرے تو —"

وہ کچھ سوچ رہے تھے۔

"کہہ تو میں بھی سکتا ہوں اُس سے۔ لیکن یہ بات کچھ نامناسب سی ہے۔"

انہوں نے فیصلہ سُناتے ہوئے کہا۔

"بس، تم اُس سے صرف اتنا کہدو کہ وہ اپنی بہن کے رشتے کے لئے مجھ سے بات کرے اور بس۔"

اور جواب میں نینا، "جی!" کے آگے اور کچھ نہ کہہ سکی

پرشانت اپنے باہر والے کمرے میں بیٹھا کسی گہری سوچ میں غرق تھا کہ اُسی پچھلے دروازے سے نینا اُس کے کمرے میں آ ئی۔ اور اُسے دیکھ کر پرشانت کا چہرہ ہی نہیں بلکہ اُس کا دل بھی مسکرا اُٹھا۔ وہ ہڑبڑا کر کرسی پر سے اُٹھا۔

"آیئے، آیئے نینا دیوی۔ تشریف لایئے۔"

اور پہلے بینا کمرے کے باہری دروازے کے پاس گئی اور اُس نے بھڑے ہوئے دروازے کو ایک ذرا سا کھول دیا — اور پھر وہ واپس مڑی —

پرشانت جو کہ اُس کی اس ادا کو بغور دیکھ رہا تھا۔ بولا۔

"یہ بند دروازے کو ایک ذرا سا کھول کیوں آئیں آپ —؟"

اُس نے اس کے اس استفسار کا کوئی جواب نہ دیا۔

"بیٹھیے —!"

پرشانت نے اُسے بیٹھ جانے کے لئے کہا۔ اور وہ سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی —

"فرمایئے —!"

"ایک خواہش ہے" بینا بولی "ایک ارمان ہے جو ہم سب کا ہے"

"جی —!"

اور وہ ابھی کچھ اور سوچکر چونکا ہی تھا کہ بینا بولی —

"ارون آپکی نظروں میں کیسا لڑکا ہے —؟"

"ہر لحاظ سے لائق، ہونہار اور قابل تعریف"

اور وہ اُس کا یہ جواب سُنکر انتہا سے زیادہ مطمئن ہو گئی۔

بولی —

"اور ارون ہم سب کی نظروں میں لاکھوں میں ایک ہے"

"پھر —!"

"میرے خیال میں اب پھر کچی گنجائش تو ہے نہیں" بینا بولی — "لیکن پھر بھی اگر یہ بات آپکی سمجھ میں نہیں آئی تو میں یہ عرض کروں گی کہ

اگر انو اور ارون ساری زندگی کے شریک بنا دیئے جائیں تو اس سے ہم سب کو بے حد خوشی ہوگی"
ام نے کہا۔
"میں چاہتی ہوں کہ آپ رسمی طور پر پتاجی سے ارون کا رشتہ انو کے لئے مانگیں"
"یہ آپ چاہتی ہیں۔۔؟"
"جی ہاں" نینا بولی" میں بھی اور میرے ساتھ ہی پتاجی اور ارون بھی یہی چاہتے ہیں۔ اور تو اور دادی ماں کی بھی یہی خواہش ہے"۔
پرشانت کا دل اپنی چہیتی بہن کی اس قسمت پر جھوم اٹھا۔ وہ بہت زیادہ خوش ہوتے ہوئے بولا۔
"انو ادھا آپ لوگوں کو اتنی پسند آگئی۔۔؟"
"جی ہاں" نینا کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ ہے ہی پسند کرنے کے لائق"
اور پرشانت نے قدرے شوخی سے کہا۔
"اور میں۔۔۔؟ کیا میں پسندیدہ نہیں ہو سکتا آپ لوگوں کے لئے؟"
اور اسکے منہ سے یہ سنکر نینا مڑ ٹ پیا گئی۔ اور اس کا دل اسکے سینے میں زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اسکی نظریں خود بخود جھک گئیں۔
پرشانت افسردگی سے بولا۔
"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ۔۔۔"
ایک سرد آہ، غیرارادی طور پر اسکے دل سے باہر آگئی۔ وہ مری ہوئی آواز میں بولا۔
"مجھے اب مرنا ہی پڑے گا"

اور وہ یکبارگی بےچین ہو گئی۔ گھبرا کر اُس نے اپنی نظریں اوپر اُٹھائیں
وہ یکدم سے تڑپ کر بولی۔

"بھگوان نہ کریں۔ مریں آپ کے دشمن"

"پھر ۔۔۔!" پرشانت نے بڑی بدحواسی کی حالت میں اُٹھ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اور وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ بہت زیادہ سہم کر، بدحواس ہو کر اور ڈر کر بولی۔

"بھگوان کے لئے ۔۔۔! یہ کیا کر رہے ہیں آپ ۔۔۔؟"

اُس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

"بدنام اور رسوا ہو جانے سے پہلے مجھے زہر کھا لینا پڑے گا"

"آپکی بدنامی میری موت اور آپکی رسوائی میرے لئے نرکھ ہے"

پرشانت نے اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر، بہت زیادہ نادم ہوتے ہوئے بولا۔

"میں اپنی اس کمینی حرکت کے لئے آپ سے معافی مانگتا ہوں بنیادیوی"

اُس کی نظریں نیچے جھک گئیں۔

"لیکن ۔۔۔ پجاری بہت زیادہ بیقرار ہو کر، عالمِ بیخودی میں کبھی کبھی دیوی کا دامن بھی تو تھام لیتا ہے۔ وہ اُس سے لپٹ بھی جانا چاہتا ہے۔ لیکن پوجا کے مقدس جذبے کے ساتھ"

اُس نے نظریں اوپر اُٹھائیں۔ وہ بے قرار ہو کر بولا۔

"میں فرشتہ نہیں ہوں۔ میں انسان ہوں بنیادیوی۔ اور میں یہ کہے دے رہا ہوں کہ میں آپکی ہستی کو اپنی ہستی میں سمو لوں گا۔ میں آپ کو

جذب کرلوں گا اپنے اندر ۔"

وہ جیسے کہ تھک گیا ہو ۔

"نہیں تو میں آپکی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں خودکشی کرلوں گا بغیر آپ کے۔"

اُسکی آنکھوں میں آنسو آگئے ۔

"میں بغیر آپ کے زندہ نہیں رہ سکتا ۔"

وہ بے اختیار رو پڑا ۔

"میں آپکی محبت میں جلا جا رہا ہوں ۔ ایک پل کا قرار بھی مجھے بغیر آپ کے نصیب نہیں ہے ۔"

اُسنے درد سے کہا ۔

"میری زندگی آپ کے بغیر، میرے کسی کام کی نہیں ہے ۔"

اور وہ یکبارگی چونک پڑی ۔ بیتاب اور بیچین ہو کر اور سب کچھ بھول کر وہ پرشانت کی طرف بڑھی اور دیوانہ وار اپنے آنچل میں اُسکے آنسوؤں کو جذب کرنے لگی ۔

اور پرشانت نے دیوانہ وار اُسے کھینچ لیا ۔ اور پھر وہ اُس کے دونوں ہاتھ پکڑے پکڑے اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا ۔ اُسنے اپنا سر نیتا کے ہاتھوں پر دے مارا ۔

"میں اگر آپکو بھول سکتا، تو میں آپکو بھول چکا ہوتا نیتا دیوی ۔"

اُسنے رُندھے ہوئے گلے کے ساتھ کہا ۔ اور اب وہ دیوانہ وار اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا ۔۔ نیتا کا دل پھٹنے لگا ۔ اُسکی آنکھوں کے سوتے بھی پھوٹ نکلے ۔

وہ بے اختیار پکار اُٹھی ۔

"اب میں بھی اور زیادہ ضبط نہیں کر سکتی" وہ بھنچی ہوئی آواز میں بولی۔

وہ بدحواس ہو کر، جیسے کہ چیخ پڑی ہو۔

"ہم ایک ہیں پرشانت۔ ہمیں دنیا کی کوئی طاقت ایکدوسرے سے الگ نہیں کر سکتی"

وہ جیسے کہ ہانپ رہی ہو۔

"تم کوئی فکر نہ کرو پرشانت"

اور پھر یہ سب کچھ کہکر اور اپنے دل کے سارے بھید کھول کر وہ چونکی۔ اور اب دوسرے ہی لمحہ وہ پرشانت کی گرفت سے اپنے ہاتھوں کو چھڑا کر ہوا کے ایک جھونکے کی طرح اس کمرے سے غائب ہو گئی تھی۔

لیکن پرشانت کے لئے ہوا کا یہ جھونکا عطر بیز، راحت افزا اور اس کی ساری زندگی کو معطر کر دینے والا تھا۔ جس سے اس کی بیمار زندگی کو صحت مل گئی تھی۔

دادی ماں نے اپنے بیٹے آشوک بابو کو بطور خاص باہر سے بلوایا۔ اور جب وہ ان کے پاس آئے تو دادی ماں نے بڑے رازدارانہ طور پر ان سے کہا۔

"بیٹے کا بیاہ کرنا چاہتے ہو تم۔؟"

"ہاں ماں" آشوک بابو نے کہا۔

اور وہ الہامی انداز میں بولیں۔

"انو بٹیا تمہیں پسند آگئی ہے"

"ہاں ماں"

"بہن پسند آگئی تمہیں اور بھائی؟"

آشوک بالو نے چونک کر کہا۔

"میں سمجھا نہیں ماں"

"کیوں —؟"

اُن پر وجد کی سی کیفیت طاری تھی۔

"تم نے سمجھنے کی کوشش کی ہے کبھی —؟"

"کیا بات —؟"

"گھامڑ ہو تم —"

دادی ماں پر جلال طاری ہو گیا۔

"بہن کو تو پسند کر لیتے ہو اور بھائی کو نظر انداز کر رہے ہو تم"

"صاف صاف کہو ماں"

"صاف صاف تو کہہ رہی ہوں" وہ اپنی مل گجی آنکھوں کی پتلیوں کو پھیلا کر بولیں "یہ شانت کیا بُرا ہے —؟"

"نہیں، نہیں" آشوک بالو متحیر ہوتے ہوئے بولے "وہ تو سینکڑوں کیا ہزاروں میں ایک ہے"

وہ عجیب و غریب طریقہ پر بھاری آواز میں بولیں۔

"پھر تم اُسے کیوں نہیں پسند کر لیتے ہو —؟"

"کس کے لئے —؟"

"یہ سہا برس کی ودھوا بیٹھی ہوئی اپنی بٹیا تمہیں نظر نہیں آتی کیا —؟"

"ماں — !"

آشوک بابو حیرت اور تعجب سے جیسے کہ چیخ پڑے۔

"یہ تم کہہ رہی ہو ماں — !"

"ہاں — !" وہ مالا پھراتے ہوئے بولیں "ہاں! یہ میں کہہ رہی ہوں"

"لیکن تم تو ودھوا کے دوسرے بیاہ کو پاپ ———"

اور وہ بات کاٹ کر رازدارانہ طریقہ پر بولیں۔

"برا تو میں اب بھی سمجھتی ہوں آشوک۔ پاپ تو یہ ہے ہی۔ بہت بڑی گالی ہے یہ۔ لیکن ———"

"لیکن کیا ماں — ؟" آشوک بابو یکبارگی بولے۔ اور انہوں نے جذب کی سی کیفیت کے درمیان کہا۔

"جب خود بھگوان کی ہی مرضی ہو اور وہی جب چاہتا ہو یہ بات، تو پھر ہم اس کے بندوں کو اسکے بیچ بولنے کا کیا ادھیکار ہے"

"بھگوان کی مرضی۔ !"

"ہاں آشوک" دادی ماں بولیں۔ آج کئی روز سے بھگوان یہ مجھ سے رہ رہ کر کہہ رہے ہیں کہ ہیرشانتی اور ببیتا کا بیاہ تو کرا دے۔ اُن کا وواہ اوشیہ ہو جانا چاہیے"

"بھگوان نے کہا ہے — ! وہ کہہ رہے ہیں — ہا"

"ہاں آشوک — " دادی ماں اپنے عالم میں ہنس تھیں "یہ مجھ سے بھگوان نے کہا ہے"

وہ پاگلوں کی طرح آنکھیں پھاکر بولیں۔

"بھگوان ودھوا کے دوسرے وواہ کے ادھیکار کو خود ملتے ہیں۔

بھگوان نے مجھ سے کہا ہے کہ ودھوا استری کا دوسرا وِواہ نہ کرنا استری کے جائز ادھیکار پر ڈاکہ ڈالنے کے برابر ہے۔"

اُن پر جنونی کیفیت طاری ہوگئی۔

"بھگوان خود اُسے بہتر ملن کا درجہ دیتے ہیں۔" وہ کہے جارہی تھیں۔ "بھگوان اسے پاپ سمجھتے ہیں کہ ودھوا کا دوسرا وِواہ نہ کیا جائے۔"

اور پھر وہ اپنے گالوں پر طمانچے لگانے لگیں۔

"رام، رام، رام۔ بھگوان مجھے شما کریں۔ اب سے میں کبھی ودھوا کا دوسرا وِواہ پاپ نہ سمجھونگی۔"

وہ جذب کی کیفیت کے درمیان بولیں۔

"اور تو بھی اب ودھوا کے دوسرے وِواہ کو کبھی پاپ نہ سمجھ آشوک۔ نہیں تو ——"

اور آشوک نے جیسے کہ عذاب الٰہی سے ڈرتے ہوئے کانپ کر کہا۔

"میں نے تو پہلے بھی ودھوا کے دوسرے وِواہ کو کبھی پاپ نہیں سمجھا ماں۔"

وہ بہت زیادہ متاثر تھے۔

"میں نے تو پہلے بھی یہ چاہا تھا کہ نینا کا دوسرا وِواہ میں کردوں۔ لیکن تم ہی اس پر حنگامہ کرتی رہیں ماں اور خود نینا ایسا کسی قیمت پر نہیں چاہتی تھی۔"

وہ افسردگی سے بولے۔

"اور شائد اب بھی نینا اپنی زندگی میں ایسا نہ ہونے دے۔"

"جب بھگوان نے بار بار یہ خود مجھ سے کہا ہے کہ نینا کا دوسرا وِواہ ہونا چاہیئے آشوک۔" دادی ماں نے کہا۔ "تو وہ بھی بھگوان کی اس مرضی کے

آگے اور شبنم انکار نہ کر سکے گی۔"

"تو تم ہی اُسے بُلا کر سمجھانا ماں۔"

"ہاں میں بھی اُس سے کہونگی۔" دادی ماں بولیں۔" کہ بھگوان کا یہ حکم ہے کہ تو اپنا دوسرا وِواہ کرلے۔

انہوں نے اپنے بیٹے آشوک سے کہا۔

"تم پر شانت سے بات کرو آشوک۔"

وہ اسی وجدانی کیفیت کے درمیان بولیں۔

"بھگوان نے خود پرشانت اور ہماری بنیا بیٹا کی جوڑی پرلوک سے اُتار کر بھیجی ہے۔ بھگوان کی یہی اِچھا ہے آشوک کہ بنیاں اور پرشانت کا وِواہ ہو جائے۔"

"تو پھر ہو جائے گا ماں۔"

آشوک بابو خوش ہو کر بولے۔

"میں آج ہی پرشانت سے بات کرونگا۔ یہ تو میرے دل کی سب سے بڑی خواہش تھی۔ میری زندگی کا تو سب سے بڑا ارمان پورا ہوگا ماں۔ پرشانت کو اپنا داماد بنا کر تو میں خوشی سے پھولا نہ سماؤں گا۔"

اور یہ کہکر آشوک بابو وہاں سے اُٹھے۔ دادی ماں بولیں۔

"یہ پُنر ملن ہے آشوک۔ یہ پُنر ملن ہے۔"

اور یہ کہکر وہ مالا کے منکوں میں دور، بہت دور نہ جانے کہاں کھو گئیں۔ آشوک بابو کی خوشیوں اور مسرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

پرشانت نے آشوک بابو سے کہا۔

"میں ایک درخواست آپ کے پاس لیکر آیا ہوں چاچاجی"

وہ اپنی نظریں ادھر اُدھر چرا رہا تھا۔

"میں دنیا میں اکیلا ہوں چاچاجی۔ میرا دنیا میں سوا ایک بہن کے اور کوئی نہیں ہے۔ اگر اور بڑے بوڑھے کنبے میں ہوتے تو وہ آتے میرے ساتھ۔ یہ عرض کرنے کے لئے کہ آپ میری بہن انورادھا کو اگر اس لائق سمجھیں کر وہ آپکی بہو بن سکے تو آپ میری یہ درخواست قبول فرما لیجئے۔ مجھے خوشی ہوگی"

اور یہ کہتے کہتے اُسکی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"ارے، ارے" آشوک بابو نے اُسے لپٹا لیا "یہ کیا پرشانت۔؟"

اُنکی آواز بھاری ہو گئی۔

"یہ تم ——"

پرشانت گلوگیر آواز میں بولا۔

"بہت زیادہ دان دہیز تو میں اپنی بہن کو دے نہ سکونگا۔ اسلئے کہ"

اور وہ آواز کیساتھ رو پڑا۔ اور آشوک بابو نے بے چین ہو کر اُسے زور سے بھینچتے ہوئے کہا۔

"یہ تو سب رسمی باتیں ہیں پرشانت"

اُن کی خود کی آواز بھاری ہو گئی۔

"جیسا کہ تمہیں خود معلوم ہے۔ ہم خود انورادھا کو اپنی خوشی اور اپنی عزت میں چار چاند لگانے کے لئے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ یہ تو تمہاری شرافت اور تمہاری بڑائی ہے کہ تم ہمارے اس ترتیب دیئے ہوئے ڈرامہ

میں اپنا پارٹ خوش اسلوبی سے ادا کر رہے ہو۔ ہم تمہارے ممنون ہیں۔"
اور پھر انہوں نے پرشانت سے کہا۔
"اور اسی قسم کی ایک درخواست میں تم سے کر رہا ہوں پرشانت"
وہ پرشانت کو اسی طرح گلے لگائے لگائے بولے۔
"میں بھی بیٹی والا ہوں۔ اور ایک بیٹی والا ہونے کے ناطے میں بھی تم سے یہ درخواست کر رہا ہوں کہ اگر تم میری بیٹی نندیا کو اپنی پتنی کی حیثیت سے سویکار کر لو، تو یہ ہم سب کے لئے سب سے بڑی خوشی ہوگی پرشانت"
اور یہ سنتے ہی پرشانت پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔
اس نے پاگلوں کی طرح آشوک بابو کو اپنے گلے سے ہٹا کر دیکھا۔
"چاچا جی ——!"
وہ آشوک بابو کو دیوانوں اور پاگلوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔
"کہیں یہ سب میں خواب تو نہیں دیکھ رہا چاچا جی؟"
اور پھر وہ آشوک بابو سے لپٹ کر، بچوں کی طرح، پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

پرشانت اپنی بہن انورادھا کو جو کہ دلہن بنی کھڑی تھی ایک بار اور شدت کے ساتھ لپٹاتے ہوئے بولا۔
"یہ خوشی کے آنسو ہیں پگلی ہے"
اس کی آواز بھاری ہوتی جا رہی تھی۔
"بھگوان کرے کہ تو ساری زندگی خوش، شاد اور بامراد رہے۔"

اُسنے انورادھا کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"آج میری زندگی میں یہ سب سے بڑی خوشی مجھے ملی ہے انوؔ"

اور پھر اُسنے، جو کہ اس شادی کے لئے ایک دوسرے بنگلے میں ٹھہر کر آگیا تھا اپنے ہاتھ سے اپنی چہیتی بہن کو ڈولے پر سوار کیا۔

"بھیّا ---!"

انورادھا ایک دفعہ اور بلک کر روئی۔ اور پرشانت نے اُسے تسلی دی۔

"بس اب مت رو انوؔ۔ میری بہن تجھے میری قسم"

اُس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔

"سسرال میں جاکر پتی کی سیوا اور سسرال والوں کی عزت کا پاس تیرا دھرم ہونا چاہیئے انوؔ"

اور پھر اُس نے اپنی بہن کو رخصت کر دیا۔ بہن کے رخصت ہو جانے کے بعد وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

اور اُسے سمجھانے اور دلاسا دینے والا کوئی نہیں تھا۔

پرشانت کی زندگی کا سب سے اہم اور مسرت انگیز لمحہ وہ تھا جبکہ نینا کے ساتھ اُس کے پھیرے لگ رہے تھے۔

اور یہ مسرت انگیز لمحہ سب ہی کے لئے تھا۔ نینا کیلئے بھی اور نینا کے گھر والوں کے لئے بھی۔ اور انورادھا کے لئے بھی۔

Every girl should read it

Miss Salima Gul

انور رادھا کو بھی اسکی یہ نینا دیدی بہت زیادہ پسند تھیں اور وہ اس
تھوڑی مدت میں ہی اس سے دل و جان کے ساتھ محبت کرنے لگی تھی۔
اس احساس سے اسکا دل اسکے پہلو میں مسرت و شادمانی کے گہرے
سمندر میں ڈوبا جا رہا تھا کہ اسکی یہ نینا دیدی اسکی بھابی بن رہی ہے۔"
اور پھر وہ ہنسی خوشی اپنی نینا دیدی کو اپنے بھائی کے لئے بیاہ کر اپنے
بھائی کے حسین بنگلہ میں لے کر آگئی۔
پرشانت کا کرایہ کا یہ بنگلہ دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ اور اس کے
احباب اور انکے گھر کی عورتوں، لڑکیوں اور بچیوں سے یہ بنگلہ بھرا ہوا تھا۔
الہ آباد یونیورسٹی کے سارے استاد، لکچررس، ریڈرس اور پروفیسرز
کے علاوہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر صاحب اور انکے گھر والے
بھی یہاں موجود تھے۔
اور یہ سب عورتیں نینا کو گھیرے ہوئے تھیں۔ جو کہ دلہن کے لباس میں
حسین چاند کو بھی شرما رہی تھی۔ نینا کا حُسن، اسکا جلال اور اس کا
جمال یہ حقیقت ہے کہ چھپایا پڑتا تھا۔
ایسا لگ رہا تھا جیسے کہ ان کا یہ بے نظیر ملن خود خدا کو بھی اچھا لگ رہا ہو۔
اور پھر رات کے ڈیڑھ بجے پرشانت اپنی محبوب ترین ہستی کے کمرے میں آیا۔
اسنے کمرے کے دروازے پر آکر کہا۔
"میرا خیال ہے کہ کمرے کے اس دروازے کو مجھے ادھ کھلا رہنے دینا
چاہیئے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔
"فرمائیے ---! اس کا بند کر دینا کہیں آپکی مصلحت کے خلاف تو نہ ہوگا؟"
"اور پھر وہ نینا کی مسہری کے پاس آیا۔ اسنے نینا کا گھونگھٹ

اٹھایا۔

"چشم بد دور ----" اُس نے وارفتہ ہوتے ہوئے کہا۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس چاند سے زیادہ روشن، حسین اور تابناک مکھڑے کو میری نظر نہ لگ جائے۔"

اُس نے نینا کی ٹھوڑی اوپر اٹھائی۔ وہ جیسے کہ خوابوں میں بول رہا ہو۔

"اگر اس چاند کی برکت میرا مقدر نہ بنتی نینا تو چتا کی آگ کب کا میرا وجود چاٹ گئی ہوتی۔"

نینا نے پٹ سے کر کے اپنی نرگسی آنکھیں کھول دیں۔

"بھگوان نہ کریں۔"

اُس کے منہ سے نکلا۔ اور پرشانت نے بے اختیار اُسے اپنی آغوشِ محبت میں بھینچ لیا۔ چاند اور ستارے تک پرشانت کی قسمت پہ رشک کر رہے تھے۔
